ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

أجل اور دین سے متعلق قواعد وضوابط کا تحقیقی و تطبیقی مطالعہ

A research and applied study of the rules and regulations related to "Ajal" and "Debt."

1. محمد اخلاق، لیکچرر یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی
muhammad.akhlaq@umt.edu.pk

Abstract

In financial contracts, especially in terms of time and debt, are very important. The complete system of interest is based on the value of "time". In this article, we will discuss the fundamental rules and practical applications related to time and debt, starting with the definition of debt and then discussing the legal rules and regulations related to time. In sales, time is a part of the price, acceleration in assets is permissible, but delay is not, debt cannot be postponed, and the rules and modern applications will be mentioned. Then we will discuss the rules and regulations related to debt, including proof of debt, proof of debt after death, debt exchange, debt recovery, payment from insolvent debtors, winning with money, forgiveness, regulations related to payment of others' debts in necessity, and their modern and practical applications.

مروّجہ عقود مالیہ میں خاص کر اجل، وقت اور دین بہت اہمیت کے حامل ہیں، سود کا مکمل نظام ''اجل'' کی قیمت پر قائم ہے، ہم اس مقالہ میں أجل اور دین سے متعلق بنیادی قواعد اور ان کی عملی تطبیقات سے بحث کریں گے، جس میں ابتداءً دین کی لغوی واصطلاحی تعریف کو ذکر کرنے کے بعد أجل سے متعلق فقہی قواعد و ضوابط کو زیر بحث لائیں گے، اس کے ذیل میں؛ بیع میں ''اجل'' کا ثمن میں حصہ ہوتا ہے، اعیان میں تعجیل اصل ہے، تاجیل کی شرط درست نہیں، دین حالّ مؤجل نہیں ہوتا جیسے ضوابط اور ان کی عصری تطبیقات ذکر کی جائیں گی۔ اس کے بعد دین سے متعلق قواعد وضوابط جس کے ذیل میں؛ مطلقا دین کا ثبوت اور میت پر دین کا ثبوت، دین کا تبادلہ، دین کی وصولی: مقاصہ، ایسر المالین سے ادائیگی، ظفر بالمال، ابراء، مجبوری میں دوسرے کے دین کی ادائیگی سے متعلق ضوابط اور ان کی عصری و عملی تطبیقات کو زینتِ قرطاس کیا گیا ہے۔

أجل اور دین سے متعلق قواعد وضوابط کا تحقیقی و تطبیقی مطالعہ

لغوی تعریف

"**دین** "جس کے لیے ہم اردو میں عام طور پر "اُدھار" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، دراصل عربی زبان کا لفظ کا ہے، امام خلیل بن احمد فراہیدیؒ دین کی لغوی تشریح ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں: " الدين واحد الديون، وكل شيء لم يكن حاضرا فهو دين."[1] دین مفرد ہے اور دیون اس کی جمع ہے، دین ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو موجود نہ ہو۔" علامہ ابن فارس فارسؒ دین کی تعریف کرتے ہیں: "الدال والياء والنون أصل واحد إليه يرجع فروعه كلها. وهو جنس من الانقياد، والذل.... يقال دانت فلانا، إذا عاملته دينا، إما أخذا وإما إعطاء."[2] دین کے حروف اصلی دال یاء اور نون ہیں، یہ ایک یہ ایک اصل اور مادہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بہت سارے مشتقات اور فروعات ہیں، اس میں مجموعی لحاظ سے تابعداری اور ذلالت کا معنی پایا جاتا ہے..... داینتُ فُلانًا کا معنی ہے کہ میں فلاں شخص کے ساتھ ادھار لین دین کا معاملہ کیا۔" خلاصہ یہ کہ لفظ دین کے معنٰی میں لغوی اعتبار سے تین امور ملحوظ ہیں: غیر موجود ہونا، لین دین اور ذلت وتابعداری، اور یہی تین امور "اُدھار" میں پائے جاتے ہیں، سو یہ کہنا بجا ہوگا کہ لفظ "اُدھار" دین کا اردو میں درست معنٰی ہے۔

اصطلاحی تعریف

فقہاء کے ہاں لفظ "دین" دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ایک معنی عمومی ہے جبکہ دوسرا خصوصی، اس بناء پر دین کی مختلف اصطلاحی تعریفات وارد ہیں۔ ذیل میں ہر ایک معنی واضح کیا جارہا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

دین کا پہلا معنٰی عمومی مفہوم رکھتا ہے، جو مالی معاملات اور ان کے علاوہ زندگی کے دیگر شعبہ جات یعنی عبادات و کفارات وغیرہ سب کو شامل ہے، علامہ زیلعیؒ کنز الدقائق کی شرح میں دین کے اس عمومی معنٰی کے لحاظ سے تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وصف شرعي في الذمة يظهر أثره عند المطالبة"[3] دین در حقیقت ایک (معنوی) قانونی وصف ہے جو انسان کے ذمہ لازم ہوتا ہے، اس کا (حقیقی) اثر تب ظاہر ہوتا ہے جب اس کا مطالبہ کیا جائے۔" یہ تعریف مالی معاملات اور غیر مالی معاملات دونوں میں ذمہ باقی رہنے والے امور کو شامل ہے، پہلے کی مثال جیسے ادھار مالی معاملہ، اور دوسرے کے مثال جیسے فوت شدہ نماز کی ادائیگی۔ اسی طرح علامہ تفتازانیؒ دین کے اس عمومی معنٰی کے بارے میں رقم طراز ہیں: " الدين لزوم حق في الذمة"[4] دین ذمہ لازم ہونے والے حق کو کہتے ہیں۔" اس تعریف میں حق نکرہ ہے جو مثبت کلام میں واقع ہے، لہذا اس سے کوئی متعین معنٰی کے بجائے مطلق حق مراد کیا جائے گا، پس اس کا مصداق ذمہ لازم ہونے والا مالی اور غیر مالی حق ہوگا۔

دین کا خصوصی معنٰی صرف مالی معاملات کے ساتھ خاص ہے، عبادات وغیرہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، دین کے اس خصوصی معنٰی کے لحاظ سے علامہ قرطبیؒ تعریف کرتے ہیں: "عبارة عن كل معاملة كان أحد العوضين فيها نقدا والآخر نسيئة"[5] دین سے مراد ہر وہ لین دین کا معاملہ ہے جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا عوض ادھار ہو۔" اس تعریف میں معاملہ کے لفظ سے معاملات اور مالیات کے علاوہ سب امور نفی ہو گئی۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: " ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاك وما صار في ذمته باستقراضه "[6] دین سے مراد وہ حق ہے جو کسی معاملہ یا کچھ ضائع کرنے کی وجہ سے انسان کے ذمہ لازم ہو جائے، اور وہ حق جو قرض لینے کی بناء پر ذمہ لازم ہو جائے۔" اس عبارت میں دین سے مراد وہ حقوق لیے گئے ہیں جو معاملات اور ضمانات کی بناء پر ذمہ لازم ہو جائیں، اور ظاہر سی بات ہے کہ یہ فقط مالی امور ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ شریعت کی نظر میں دین سے مراد وہ مالی حقوق ہے جو انسان کے کسی تصرف کی بناء پر اس کے ذمہ لازم ہو جائیں۔

المقاصة إنما تكون في الدينين المتحدي الصنف

مقاصہ فقط ایک جیسے دیون کے مابین ہوتا ہے

مقاصہ کی تعریف

دین کی ادائیگی کا ایک طریقہ "مقاصہ" ہے، اردو زبان میں اس کی مختصر تعبیر ہے "حساب چکتا کرنا" یا "کھاتہ صاف کرنا"۔

مقاصہ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے، یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانویؒ القاموس الوحید میں لکھتے ہیں: "قَاصَّهُ مُقَاصَّةً: کسی کے ذمہ قرض اپنے ذمہ کا بدل قرار دے کر حساب چکانا (2) کسی کو ترکی بہ ترکی جواب دینا یا کاروائی کرنا"[7]

فقہی اصطلاح میں مقاصہ کی تعریف علامہ دردیرؒ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: " هي إسقاط ما لك من دين على غريمك في نظير ما له عليه بشروطه "[8] مقاصہ سے مراد یہ ہے آدمی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا ادھار اپنے مدیون کے اُس ادھار کے بدلے چکتا کر دے جو اِس کے ادھار کے ہم مثل ہے۔" آسان الفاظ میں جب دو باہمی معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کا مدیون اور دائن ہو، تو ہر ایک کا ذمہ دوسرے کے ذمے لازم اس کے ادھار کے بدلے بری کر دینا مقاصہ کہلاتا ہے۔ جیسے عامر نے سلیم سے 50000 روپیہ ادھار کے عوض ایک موٹر سائیکل خریدی، جبکہ سلیم کے ذمے پہلے سے عامر کے 50000 روپے کی ادائیگی لازم ہے، تو ان دونوں کی ادائیگی ہو جائیگی اور کسی کو دوسرے سے مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

مقاصہ کے اقسام

مقاصہ کی دو قسمیں ہیں: مقاصہ جبری اور مقاصہ اختیاری۔

مقاصہ جبری جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں فریقین کی رضامندی کا یا مطالبے کی ضرورت نہیں ہوتی، جب فریقین میں سے ہر ایک ذمے دوسرے کا ایسا دین ہو جو جنس، وصف اور مدت میں ہم مثل ہو، تو یہ دونوں دین کسی کے مطالبے یا رضامندی کے بغیر باہمی ساقط ہو جاتے ہیں، اور اگر ایک کے ذمے دین زیادہ ہو تو اس کے ذمے سے فریق ثانی کے دین کے بقدر ساقط ہوگا۔ جمہور فقہاء امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مقاصہ جبری کی قائل ہیں[9]، جبکہ امام مالکؒ صرف تین صورتوں میں مقاصہ جبری کی اجازت دیتے ہیں۔[10]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

مقاصہ کی دوسری قسم مقاصہ اختیاری ہے، اس میں فریقین کی رضامندی اور کسی ایک کے مطالبے کی ضرورت ہوتی ہے۔[11] جب فریقین میں سے ہر کے ذمے دوسرے کا ادھار ہو لیکن دونوں کا ادھار جنس، وصف یا مدت میں باہمی مختلف ہو تو اس وقت مقاصہ جبری نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر فریقین میں سے کوئی ایک مقاصہ کا مطالبہ کرے اور دونوں اس پر متفق ہو جائیں تو مقاصہ ہو سکتا ہے، اس کی مزید تفصیل اور توضیح شرائط کے تحت بیان کی جارہی ہے۔

مقاصہ کے شرائط

مقاصہ جبری کے تین شرائط ہیں، اگر یہ شرائط موجود ہو تو مقاصہ جبری ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو مقاصہ جبری نہیں ہوگا، لیکن فریقین کی رضامندی سے مقاصہ اختیاری ہو سکتا ہے، ذیل میں یہ شرائط توضیح کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

۱۔ مقاصہ جبری کی پہلی شرط اتحاد جنس ہے، یعنی دونوں ادھار ایک ہی جنس کے ہوں، جیسے پاکستانی روپیہ، امریکی ڈالر، چاول یا آٹا وغیرہ۔ اگر جنس میں اختلاف ہوگا جیسے ایک فریق کا ادھار پاکستانی روپیہ ہے اور دوسرے کا ادھار امریکی ڈالر ہیں تو مقاصہ جبری نہیں ہوگا۔[12]

۲۔ مقاصہ جبری کی دوسری اتحاد وصف ہے، یعنی دونوں ادھار جنس میں متحد ہونے کے ساتھ وصف یعنی کوالٹی اور معیار میں بھی متحد ہو، اگر وصف میں اتحاد نہیں ہوگا تو جبری مقاصہ نہیں ہوگا، جیسے ایک ادھا سیلہ چاول ہیں جبکہ دوسرا ادھار ٹوٹا چاول ہیں، یا ایک ادھار فائن آٹا ہے اور دوسرا ادھار چکی کا آٹا ہے۔[13]

۳۔ مقاصہ جبری کی تیسری شرط اتحاد مدت ہے، یعنی دونوں ادھار کی ادائیگی کا وقت ایک ہو، اگر ایک ادھار کی ادائیگی فی الفور لازم ہے، جبکہ دوسرے ادھار کی ادائیگی ایک سال بعد طے ہے تو اس صورت میں بھی جبری مقاصہ نہیں ہوگا۔[14]

مقاصہ کی دلیل

مقاصہ کی نقلی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو امام ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں روایت کی ہے: آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع میں اونٹوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا تھا، دینار کے بدلے سودا بیچ کر اس کی جگہ دراہم لیتا تو کبھی دراہیم کے عوض سودا کر کے ان کی جگہ دینار لے لیتا۔ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے موقع عنایت فرمائیں ایک سوال کرنا ہے، میں بقیع میں اونٹ فرخت کرتا ہوں، دینار کے بدلے فرخت کر کے ان کی جگہ دراہم لیتا ہوں اور دراہم کے عوض فرخت کر کے ان کے بجائے دینار وصول کر لیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: " لا بأس إذا أخذتها بسعر يومها، ما لم تفترقا وبينكما شيء "اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس دن کی قیمت کے لحاظ وصولی کرو، نیز جدائی سے قبل اس لین دین کا معاملہ صاف کرنا ضروری ہے۔"[15] اس حدیث میں مشتری کے ذمے لازم ہونے والے ثمن کے بدلے دوسری قسم کی نقدی وصول کرنے کا بیان ہے جو کہ مقاصہ ہے، آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نیز علامہ بابرتیؒ نے بھی اس حدیث کو مقاصہ کے جواز کے لیے بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔[16]

مقاصہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب فریقین میں سے ہر ایک کے ذمے دوسرے کا ادھار ہو اور دونوں ادھار جنس، وصف اور مدت میں برابر تو دونوں کو باہمی ساقط کر دینا عین شریعت کی روح کے ساتھ موافق ہے؛ کیونکہ فریقین میں ہر ایک کو اگر دوسرے کو ادائیگی اور دوسرے سے وصولی کا پابند کیا جائے تو اس میں وقت کے ضیاع اور عبث سر گرمی کے علاوہ کچھ نہیں، اور شریعت وقت کے ضیاع اور عبث امور سے صاف منع کرتی ہے۔[17]

متعلقہ قواعد

معاملات کے باب میں مقاصہ سے متعلق بہت سارے فقہی قواعد و ضوابط موجود ہیں، ذیل میں ان میں سے چند ایک پیش کیے جارہے ہیں:

- "المقاصة إنما تكون في الدينين المتحدي الصنف"[18] مقاصہ فقط ایک جیسے دیون کے مابین ہوتا ہے۔
- " كل دينين استويا في الجنس والصفة تساقطا"[19] ہر دو ادھار جو جنس اور وصف میں آپس میں برابر ہوں تو وہ باہمی ساقط ہو جاتے ہیں۔
- " من ثبت له على غريمه مثل ما له عليه تساقطا ولو بغير رضاهما"[20] جب کسی اپنے قرض خواہ کے ذمے اس کے ادھار جیسا ادھار ہو جائے تو دونوں کا حساب چکتا ہو جاتا ہے۔
- "المقاصة لا تكون إلا بحلول الدينين"[21] مقاصہ تب ہی ہوتا ہے جب دونوں ادھار کی ادائیگی کا وقت آن پہنچے۔
- " الديون تقضى بأمثالها لا بأعيانها ثم تبرأ الذمة بالمقاصة"[22] ادھار کی ادائیگی اس کے مثل کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ عین کے ساتھ، پھر مقاصہ کی بنیاد پر مدیون اور دائن دونوں کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

تطبیقی مثالیں

مقاصہ جو معاملات کے باب ایک سادہ اور آسان ضابطہ تھا آج ایک پیچیدہ تکنیکی اور مشینی کلیہ بن چکا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید معیشت، انٹرنیٹ بینکنگ اور آن لائن ٹرانزیکشن کی وجہ سے دن میں بارہا مقاصہ کے عمل کے ساتھ ہمارا واسطہ پڑتا ہے، بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ جدید معاشی نظام سے کسی نہ کسی صورت میں منسلک ہر شخص روزانہ مقاصہ کے عمل سے گزرتا ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے مقاصہ کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

۱۔ موبائل کمپنیوں کی طرف ایڈوانس بیلنس کی سہولت دی جاتی ہے، جس میں صارف کو 30 یا 50 کی صورت محدود بیلنس ایڈوانس کی شکل میں دیا جاتا ہے جو کہ ایک دین ہے، پھر جب وہ صارف بیلنس لوڈ کرتا ہے تو اس کے اکاؤنٹ سے وہ ایڈوانس والی رقم مقاصہ کی صورت میں منہا کر دی جاتی ہے۔

۲۔ شہر کے اندر چلنے والی میٹرو بس یا میٹرو ٹرین کارڈ کا استعمال بھی مقاصہ کی ایک صورت ہے، جس میں صارف مذکورہ کمپنی کا کارڈ خرید کر اس میں بیلنس لوڈ کرتا ہے جو کہ ایک دین ہے، پھر جب وہ اس ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کرتا ہے تو سفر سے فارغ ہوتے وقت وہ اپنا کارڈ مشین پر رکھتا ہے، اور اس سفر کا کرایہ جو صارف کے ذمہ دین ہو گیا ہے مقاصہ کی صورت میں اس کے کارڈ سے منہا ہو جاتا ہے۔

۳۔ مختلف آن لائن سٹورز اور ویب سائٹس صارف کو والٹ کی سہولت دیتے ہیں، جس میں صارف اس سٹور یا ویب سائٹ کی طرف سے ملنے والا کیش بیک، بونس اور اپنی رقم جمع کرتا ہے جو ایک قسم کا دین ہے، پھر جب صارف مذکورہ سٹور یا سائٹ سے خریداری کرتا ہے تو اس کا ثمن جو اس صارف کے ذمے دین ہو گیا اس کے والٹ سے مقاصہ کی صورت میں منہا ہو جاتا ہے۔

۴۔ موٹروے پر سفر کے لیے ٹول ٹیکس کی ادائیگی کی ایک صورت ایم ٹیگ کی شکل میں رائج ہے، جس میں گاڑی کا مالک اپنا اکاؤنٹ بنا کر اس میں اپنے بینک سے رقم جمع کرتا ہے جو کہ ایک دین ہے، پھر جب مذکورہ شخص موٹروے کے ذریعے سفر کرتا ہے تو سفر کے اختتام پر ٹول پلازہ پار کرتے وقت موٹروے ٹول ٹیکس جو کہ اس گاڑی مالک کے ذمے دین ہو گیا اس کے ایم ٹیگ اکاؤنٹ سے مقاصہ سے کی صورت میں کٹ جاتا ہے۔

۵۔ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے خریداری مقاصہ کی ایک صورت ہے، جس میں سیلر (فروخت کنندہ) سیل انوائسز (فروخت کی رسیدیں) اپنے بینک کو ارسال کرتا ہے، سیلر کا بینک یہ تفصیلات کریڈٹ کارڈ جاری کرنے والے بینک کو ارسال کرتا ہے، کریڈٹ کارڈ سپانسر کمپنی دونوں بینکوں کے مابین مقاصہ کے عمل کے ذریعے لین دین کا عمل مکمل کرتا جس میں چند سیکنڈ لگتے ہیں۔

احترازی مثالیں

روزمرہ زندگی کے کچھ مالی معاملات ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقاصہ کی صورت ہے، لیکن درحقیقت وہ معاملات مقاصہ نہیں ہوتے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

۱۔ بینک سے ملنے والے پرائز بانڈ اور ٹریولر چیک وغیرہ درحقیقت نقدی یا دین نہیں بلکہ مذکورہ بینک کی طرف سے امانت یا ادھار کی رسید ہے، ان کی بنیاد پر ادھار چکانا یا معاملات طے کرنا مقاصہ نہیں، نیز کسی کو ان کے قبول کرنے پر مجبور کرنا درست نہیں۔

۲۔ بینک سے قرض لے کر معاف کروانا مقاصہ نہیں بلکہ ابراء عن الدین ہے، جس میں دائن مدیون کا قرض معاف کر دیتا ہے۔

۳۔ کرنسی ایکسچینج میں مختلف نقدیوں کا آپس میں لین دین مقاصہ نہیں بلکہ بیع صرف ہے، جس میں بیع صرف کے شرائط یعنی ہاتھ در ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

۴۔ انسٹالمنٹ پر خریداری کی صورت میں خریدار کے ذمے جو اقساط لازم ہوتے ہیں وہ اگرچہ دین ہیں، لیکن ان کی ادائیگی مقاصہ نہیں بلکہ فقط دین کی ادائیگی ہے۔

۵۔ دکان سے کھاتہ کے ذریعے خریداری اگرچہ ایک دین ہے، لیکن اس صورت میں ذمہ لازم ہونے والا دین وقتاً فوقتاً ادا کیا جاتا ہے وہ مقاصہ نہیں بلکہ تاجیل الثمن ہے۔

الديون في الذمم لاتعتبر محلا صالحا لعقود التمليك و المعاوضة

ذمہ لازم ادھار تملیک اور لین دین کو قبول نہیں کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا

مدیون پر لازم دین درحقیقت اس کے ذمہ پر موجود ایک وصف اور کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے، وہ دائن کی ملکیت تب بنے گا جب وہ وصول کر کے قبضہ کرے، لہذا دائن مدیون کے ذمہ لازم دین کو کسی اور کی ملکیت میں نہیں دے سکتا، اسی طرح دائن اس دین کے بنیاد پر لین دین کرنے، زکوۃ ادا کرنے، خرید و فرخت کرنے یا اس قسم کے کسی بھی تصرف کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

ضابطہ کی تشریح

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

اس ضابطہ سے مراد یہ ہے کہ جو دین مدیون ذمہ لازم ہو تو وہ دائن کی ملکیت ہوتی ہے، دائن اسے مدیون کی ملکیت بنا سکتا ہے، لیکن مدیون کے علاوہ کسی اور ملکیت میں نہیں دے سکتا۔ یہاں دین سے مراد دینِ مستقر ہے، دین مستقر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے وہ دین کہلاتا ہے جس پر دائن کی ملکیت ثابت اور مستحکم ہوتی ہے، کیونکہ مدیون اس عوض مالی معاملہ، قرض یا جنایت کی شکل میں وصول کر چکا ہوتا ہے، جیسے ثمنِ مبیع، بدلِ قرض، ارشِ جنایت اور ضائع کی گئی چیز کا عوض وغیرہ، الموسوعة الفقهية الكويتية میں دین مستقر کے تعریف ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:" هو الذي لا يتطرق إليه انفساخ بتلف مقابله أو فواته بأي سبب كان"[23] دین مستقر وہ دین ہے جو عوض ضائع ہونے یا کسی بھی طور سے وصول ہونے کی وجہ سے فسخ ہونا قبول نہیں کرتا۔"

ضابطہ کی دلیل

مذکورہ ضابطہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ مستقر کی تملیک اور لین دین درست نہیں، اس کی نقلی دلیل آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث ہے:" عن ابن عمر رضي الله عنهما، أن النبي صلى الله عليه وسلم «نهى عن بيع الكالئ بالكالئ» "[24] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ادھار کو ادھار کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔"اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں تصرف سے منع فرمایا ہے، نیز امام سرخسیؒ نے اس حدیث کو مذکورہ مسئلے میں بطور دلیل پیش کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:"ومبادلة الدين بالدين حرام شرعا وإن وجد التراضي «لنهي النبي - صلى الله عليه وسلم - عن الكالئ بالكالئ».[25] ادھار کا ادھار کے ساتھ لین دین شریعت کے رو سے حرام ہے اگرچہ طرفین باہمی رضامند ہو؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ادھار کو ادھار کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔"

مذکورہ ضابطہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ادھار میں تملیک یا معاملہ یعنی ھبہ یا بیع وغیرہ کی صورت میں دائن اسے حوالے نہیں کر سکتا؛ کیونکہ وہ اس کے قبضہ میں ہی نہیں، جس کو فقہ کی اصطلاح میں غیر مقدور التسلیم کہتے ہیں، اور غیر مقدور التسلیم کی بیع اور ھبہ دونوں درست نہیں، نیز دین کے بیع یا ھبہ وغیرہ کی صورت میں جھگڑے اور فساد کا خدشہ ہوتا ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں مفضی الی المنازعہ کہتے ہیں، اور جو عقد مفضی الی المنازعہ ہو وہ شریعت کی رو سے ناجائز ہوتا ہے۔

ضابطہ کی تقسیم و تفصیل

مذکورہ بالا ضابطہ جس میں ادھار میں تصرفات کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے ہم اس کی مکمل تقسیم اور تفصیل پیش کرتے ہیں، جس ضابطہ کی تمام جہات واضح ہو جائیں گی:

دین میں تصرف یا بالعوض یا بلا عوض، پھر ہر ایک صورت میں اس کی مالک مدیون کو بنایا جائے گا یا غیر مدیون کو، پس دین میں تصرف کی کل چار صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ مدیون کا بلا عوض دین کا مالک بنانا، ۲۔ غیر مدیون کو بلا عوض دین کا مالک بنانا، ۳۔ مدیون کو بالعوض دین کا مالک بنانا، ۴۔ غیر مدیون کو بالعوض دین کا مالک بنانا

ذیل میں ہر صورت کی حوالے سے تفصیل پیش خدمت ہے:

۱۔ پہلی صورت جس میں مدیون کو بلا عوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے، یہ مدیون کو دین ھبہ کر دینا، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "الإبراء عن الدين "یعنی ادھار معاف کر دینا" کا نام دیا جاتا ہے، یہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق جائز ہے۔[26]

۲۔ دوسری صورت جس میں غیر مدیون کو دین کا مالک بنایا جاتا ہے، اس کے بارے فقہاء کا اختلاف ہے، احناف[27] اور مالکیہ[28] کے ہاں مذکورہ صورت جائز ہے، جبکہ شوافع[29] اور حنابلہ[30] کے ہاں ناجائز ہے۔

۳۔ تیسری صورت جس میں مدیون کو بالعوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے۔

۴۔ چوتھی صورت جس میں غیر مدیون کو بالعوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے، اس دونوں صورتوں میں عوض عین ہو گا یا دین ہو گا۔

اب یہاں کل چار صورتیں بن گئیں:

۱۔ مدیون کو دین کے عوض دین کا مالک بنانا، ۲۔ غیر مدیون کو دین کے عوض دین کا مالک بنانا، ۳۔ مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک بنانا، ۴۔ غیر مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک بنانا

ان میں پہلی اور دوسری صورت جس میں مدیون و غیر مدیون کو دین کے عوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے تمام فقہاء یعنی احناف[31]، مالکیہ[32]، شوافع[33] اور حنابلہ[34] کے ہاں بالاتفاق ناجائز ہے؛ کیونکہ اس کی ممانعت میں صریح نص وارد ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

تیسری صورت جس میں مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے، تمام فقہاء کے ہاں جائز ہے، لیکن اگر عوض اموال ربویہ میں سے ہو تو مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے۔[35]

چوتھی صورت جس میں غیر مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک بنایا جاتا ہے، اس میں فقہاء کے چار اقوال ہیں، ذیل میں ہر ایک قول پیش کیا جارہا ہے:

ا۔ قول اول یہ ہے کہ غیر مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک جائز نہیں، یہ احناف کا مذہب ہے[36]، جبکہ شوافع کا اظہر قول[37] اور حنابلہ کا صحیح مذہب[38] بھی یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے مذکورہ مبیع غیر مقدور التسلیم ہے، یہ ایسا ہے کہ ہوا میں اڑتا پرندہ اور بھگوڑا غلام فروخت کرنا۔[39]

۲۔ قول دوم یہ ہے کہ غیر مدیون کو عین کے عوض دین کا مالک بنانا جائز ہے، بشرطیکہ اس دن کی قیمت یا اس سے کم قیمت پر ہو۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، حنابلہ کی ایک روایت[40] اور امام ابن تیمیہ کا مختار مسلک[41] ہے۔

۳۔ قول سوم یہ ہے کہ مذکورہ معاملہ تین شرائط کے ساتھ جائز ہے، یہ اکثر شوافع کا قول ہے۔ وہ تین شرائط یہ ہیں:

ا۔ مدیون مالدار ہو اور دین کا انکاری نہ ہو۔ ۲۔ دین فی الفور ادائیگی والا ہو۔ ۳۔ دونوں عوض مجلس میں قبضہ کیے جائیں۔[42]

۴۔ قول چہارم یہ ہے کہ مذکورہ معاملہ آٹھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ وہ آٹھ شرائط یہ ہیں:

ا۔ مشتری ثمن فوراً ادا کرے تا دین کے بدلے دین کی بیع نہ بنے۔ ۲۔ مدیون شہر میں موجود ہو تا کہ اس کی فقر اور مالداری کا علم ہو سکے۔ ۳۔ مدیون دین کا انکاری نہ ہو۔ ۴۔ دین کو اس کے جنس کے علاوہ کے بدلے بیچا جائے، یا اس کے ہم جنس مساوی کے بدلے بیچا جائے۔ ۵۔ سونے کی فروخت چاندی کے بدلے یا اس کے برعکس نہ ہو۔ ۶۔ مشتری اور مدیون کے مابین کوئی تنازع نہ ہو۔ ۷۔ مبیع بعام نہ وہ، کیونکہ مالکیہ کے ہاں بعام کی قبل القبض بیع ناجائز ہے۔ ۸۔ دائن کا مقصد مدیون کا تنگ کرنا یا نقصان پہنچانا نہ ہو۔[43]

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ یعنی " ذمہ لازم ادھار تملیک اور لین دین کو قبول نہیں کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا " سے متعلقہ بہت سارے قواعد وضوابط فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، ذیل میں ان میں سے چند قواعد وضوابط پیش کیے جارہے ہیں:

"الديون في الذمم لاتعتبر محلا صالحا لعقود التمليك و المعاوضة"[44] ذمہ لازم ادھار تملیک اور لین دین کو قبول نہیں کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

"ابتداء الدين بالدين ممنوع"[45] شروع سے ادھار کے بدلے ادھار معاملہ ناجائز ہے۔

"لا يجوز دين بدين"[46] ادھار کے بدلے ادھار معاملہ ناجائز ہے۔

"لا يجوز أن يملك الدين لغير من هو عليه"[47] جس شخص کے ذمے ادھار ہے اس کے علاوہ کسی اور کو اس ادھار کا مالک بنانا ناجائز ہے۔

تطبیقی مثالیں

ادھار کے معاملات ہماری روزمرہ زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے، کاروبار اور لین سے منسلک افراد کو دن میں بارہا ان معاملات کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے چند ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں دین میں تصرفات کیے جاتے ہیں:

ا۔ بعض اوقات ہم مدیون سے دین وصول کرتے وقت یا قرض دار سے قرض وصول کرتے وقت دین اور قرض کی کرنسی جیسے پاکستانی روپیہ کی جگہ دوسری کرنسی ادا کرنے کا کہہ دیتے ہیں، یہ معاملہ جائز ہے بشرطیکہ وصولی اسی مجلس میں ہو، کیونکہ یہ دین عین کے بدلے مدیون کو بیچا جارہا ہے جو کہ فقہاء کے ہاں بالاتفاق جائز ہے۔

۲۔ دکان فروخت کرتے وقت دکان کے سامان کے ساتھ کھاتہ داروں کے ادھار کا پیسہ بھی وصول کیا جاتا ہے، یہ غیر مدیون کو عین کے عوض دین کی فروخت ہے، جو کہ جمہور کے ہاں ناجائز ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں آٹھ شرائط کے ساتھ اور امام ابن تیمیہ کے ہاں تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

۳۔ قسطوں پر خریدی گئی گاڑی یا قسطوں پر خریدا گیا پلاٹ مکمل قسطوں سے قبل فروخت کرنا درست ہے بشرطیکہ قبضہ مل گیا ہو، لیکن اس کی بقیہ اقساط پہلا مالک ہی ادا کرے گا۔ ان بقیہ اقساط کو خریدار کے ذمے لگانا اگر بلا عوض ہو اور اضافی قیمت خریدار سے وصول نہ کی جائے تو یہ حوالہ ہے جو کہ طرفین کی رضامندی سے جائز ہے، اور اگر بالعوض ہو اور خریدار سے اضافی رقم وصول کی جائے تو اگر عوض مجلس عقد میں ہی ادا کر دی جائے تو طرفین کی رضامندی سے جائز ہے کیونکہ یہ مدیون کو عین کے عوض دین فروخت کیا گیا جو کہ بالاتفاق جائز ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۴۔پرائز بانڈز اور سیل کوپن وغیرہ بھی درحقیقت دین ہیں،ان کو نقدی کے عوض بیچنا بشرطیکہ مجلس عقد میں عوض پر قبضہ کیا جائے اور مالک سے وصولی بھی کی جائے تو درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف ہو گیا، اور اگر مجلس عقد میں نقد نہیں کروایا گیا تو یہ غیر مدیون کو عین کے بدلے دین کی فروخت ہے جو کہ جمہور کے ہاں ناجائز ہے، جو کہ فقہائے مالکیہ کے ہاں آٹھ شرائط کے ساتھ جبکہ امام ابن تیمیہ کے ہاں تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

۵۔دکاندار حضرات دکان کی زکوۃ ادا کرتے وقت بعض اوقات دکان کے کھاتہ دار لوگوں کی ادھار کی رقم زکوۃ کی مد میں معاف کر کے زکوۃ ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں؛ کیونکہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک ضروری ہے، جبکہ ادھار کی وصولی سے قبل اس میں کوئی تصرف درست نہیں، لہذا اس کی درست صورت یہی کہ ان سے ادھار وصول کر کے پھر زکوۃ کی مد میں ان کے حوالے کی جائے۔

مالایکون في الذمة لایکون دینا

ذمہ لازم نہ ہونے والا دین نہیں ہوتا

بیع میں عوض چاہے ثمن ہو یا مبیع یا عین ہوتا ہے یا دین، اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی امتیازی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر وہ دوسرے الگ ہو جاتی ہے، ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عین ایک متعین اور مشخص امر کا نام ہے، جبکہ دین ایک معنوی وصف ہے جو مدیون کے ذمہ لازم ہوتی ہے، قرافیؒ فرماتے ہیں: "المعینات لا تثبت في الذمم، وأن ما في الذمم لا یکون معِینا "[48] عین ذمہ پر لازم نہیں ہوتی، اور جو ذمہ لازم ہو وہ عین نہیں ہوتا۔ "اس کا مطلب یہ ہے دین ذمہ پر لازم ہوتی ہے، جبکہ عین ذمہ لازم نہیں ہوتی، لہذا جو امر ذمہ لازم ہو وہ دین کہلاتی ہے نہ کہ عین۔

ضابطہ کی توضیح

مذکورہ بالا ضابطہ " مالایکون في الذمة لایکون دینا" کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ذمہ کی تعریف جاننا ضروری ہے،۔ذمہ کی تعریف فقہاء کے ہاں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: "الذمم جمع ذمة، وهي وعاء اعتباري لإثبات الحقوق والواجبات لإمكان المطالبة بها"[49] ذمہ کی جمع ذمم ہے، ذمہ سے مراد وہ فرضی اور حکمی ظرف ہے جہاں حقوق اور واجبات کو ثابت کیا جاتا ہے، تاکہ ان کی وصولی کا مطالبہ ممکن ہو سکے۔ "ذمہ کی تعریف معلوم ہونے کے بعد مذکورہ ضابطہ کا مطلب واضح ہو رہا ہے کہ دین ایک امر اعتباری ہے جو دائن کا حق ہونے کی حیثیت سے مدیون کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ نیز دین کے لیے عدم تعیین شرط ہے، جو چیز متعین ہو وہ عین ہوتی ہے، جبکہ جو امر غیر متعین ہو اور ذمہ پر لازم ہو وہ دین کہلاتی ہے۔ قرافیؒ فرماتے ہیں: " اعلم أن المعینات المشخصات في الخارج المرئية بالحس لا تثبت في الذمم"[50] وہ امور جو خارج میں متعین اور مشخص ہیں اور جنہیں آنکھوں کے ذریعے دیکھ محسوس کیا جا سکتا ہے (وہ عین ہے نہ کہ دین، اس لیے) مذکورہ امور ذمہ لازم نہیں ہوتیں۔ "یہی وجہ ہے اگر کوئی شخص مثلی غیر متعین چیز کی خریداری کرے اور اس مبیع کا کوئی اور حق دار نکل آئے تو بیع فاسد نہیں ہو گی کیونکہ یہاں مبیع دراصل غیر متعین اور بائع کے ذمہ پر لازم تھی، لیکن اگر بیع کے وقت مبیع متعین کی جائے تو دوسرا حق نکل آنے کی صورت میں بیع فسخ ہو جائے گی؛ کیونکہ مبیع متعین عین ہے جس کے ساتھ بیع کا تعلق تھا، اب مبیع مفقود ہو گیا تو بیع ہی فسخ ہو گئی۔[51]

ضابطہ کی تفصیل

جب معلوم ہوا کہ دین ایک امر حکمی اور اعتباری ہے جو ذمہ پر لازم ہوتی ہے، اور ذمہ انسان کا وصف اور تابع ہے، اس بناء پر فقہاء میں اختلاف ہو گیا کہ غیر انسان پر دین ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے مختلف رفاہی ادارے اور مدارس وغیرہ اپنی ضروریات اور رفاہی خدمات کے لیے خریداری کرتے ہیں جس میں کچھ خریداری ادھار کی شکل میں بھی ہوتی ہے، تو اس قسم کے ادھار معاملات کا کیا حکم ہو گا؟ اس حوالے سے فقہاء کے دو مذاہب ہیں:

۱۔پہلا مذہب یہ ہے کہ دین فقط انسان کے ذمہ لازم ہوتا ہے، غیر انسان یعنی کسی ادارے وغیرہ پر دین لازم قرار دینا درست نہیں، یہ احناف[52] کا مسلک ہے، اور حنابلہ[53] کا درست مؤقف بھی یہی ہے۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن نجیم مصری اپنی کتاب البحر الرائق میں لکھتے ہیں: "إذا احتاجت الصدقة إلى العمارة وليس في يد القيم ما يعمرها فليس له أن يستدين عليها لأن الدين لا يجب ابتداء إلا في الذمة وليس للوقف ذمة والفقراء وإن كانت لهم ذمة إلا أنهم لكثرتهم لا تتصور مطالبتهم فلا يثبت الدين باستدانة القيم إلا عليه ودين يجب عليه"[54] جب وقف کی زمین کی تعمیر کی ضرورت پڑے اور اس کے متولی کے پاس تعمیر کا پیسہ نہ ہو، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس وقف ادارے کے نام پر ادھار لے؛ کیونکہ دین لازم ہونے کے لیے ذمہ ضروری ہے اور وقف ادارے کا ذمہ نہیں ہوتا، فقراء کا اگرچہ ذمہ ہے لیکن بوجہ کثرت ان سے مطالبہ ممکن ہی نہیں، لہذا اس صورت میں ادھار لینے کی صورت میں متولی کے ذمے ہی وہ دین لازم ہو گا اور ادائیگی اسی پر واجب ہو گی۔ "اسی طرح حنبلی فقیہ ابو النجا حجاوی لکھتے ہیں: "ومن شأنه -أي القرض- أن يصادف ذمة،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

فلا يصح قرض جهة كمسجد و نحوه"[55] قرض کے لیے ذمہ پر لازم ہونا ضروری ہے، لہذا مسجد یا اس جیسی کسی وقف جائیداد کے لیے قرض لینا درست نہیں۔"

۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ کسی ادارے وغیرہ کے لیے قرض یا ادھار لینا درست ہے، یہ شوافع[56] اور مالکیہ[57] کا مسلک ہے، اور حنابلہ کی ایک روایت[58] بھی اسی طرح ہے۔ ان حضرات کا مؤقف ہے کہ وقف جائیداد اور ادارہ جات کا بھی ایک مستقل ذمہ ہے، دسوقیؒ لکھتے ہیں: "وصح الإيصاء لمسجد لصحة تملكه"[59] مسجد کے لیے وصیت کرنا درست ہے، کیونکہ مسجد کے لیے ملکیت درست ہے۔ "اسی طرح رملیؒ وقف کے متولی کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وكذا الاقتراض على الوقف عند الحاجة"[60] متولی بوقت ضرورت وقف کے نام پر قرض بھی لے سکتا ہے۔ "قرض بھی دین کی ایک قسم ہے، جو ذمہ پر لازم ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اور وقف ادارہ جات کے لیے ذمہ ثابت ہے۔ پس جب وقف ادارہ جارت کے لیے ملکیت ثابت ہے اور ان کا ذمہ بھی درست ہے تو ان کے لیے دین ثابت ہونا بھی ممکن اور درست ہے، اور متولی اپنے نام کے بجائے ان کے نام پر قرض اور ادھار لے سکتا ہے۔

ضابطہ کی دلیل

فریق اول یعنی احناف اور حنابلہ جو وقف ادارہ جات وغیرہ کے نام پر دین لینا ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہی ہے کہ دین کے لیے ذمہ ضروری ہے، اور ذمہ صرف انسان کا ہوتا ہے نہ قطعہ اراضی یا عمارت کا، لہذا مسجد، مدرسے وغیرہ کے لیے ان کے نام ادھار اور قرض لینا درست نہیں۔[61]

ان کے مقابلے میں فریق ثانی جو مسجد و مدرسہ وغیرہ کے نام پر ادھار و قرض جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "**عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره أن يجهز جيشا، فنفدت الإبل، «فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن آخذ من قلائص الصدقة، فكنت آخذ البعير بالبعيرين»**"[62] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک لشکر تیاری کرنے کا حکم دیا، لیکن اونٹ ختم ہو گئے، تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں صدقہ کی اونٹنیوں میں سے لے لوں، پس میں ایک دو اونٹ کے بدلے ایک اونٹ لینے لگا۔ "اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بیت المال کے نام پر ادھار اونٹ خریدنے کا حکم دیا؛ نقد خریدار نہیں تھی کیونکہ خریداری اونٹوں کے بدلے تھے، اور اونٹ بیت المال میں ختم ہو چکت تھے، نیز یہاں یہ اشکال نہیں کیا جا سکتا کہ ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹوں کا وعدہ ربا ہو جائے گا؛ کیونکہ اونٹ اموال ربویہ میں سے نہیں۔

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں، جن میں مذکورہ حکم مختلف جہات سے واضح کیا جا رہا ہے، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- "مالايكون في الذمة لايكون دينا"[63] ذمہ لازم نہ ہونے والا دین نہیں ہوتا۔
- "شأن القرض أن يصادف ذمة"[64] قرض کے لیے ذمہ کا ہونا ضروری ہے۔
- "الدين لا يثبت إلا في الذمم"[65] دین صرف ذمہ پر لازم ہوتی ہے۔
- "غير المعين يثبت في الذمة"[66] غیر معین امر ذمہ لازم ہوتا ہے۔
- "المعين لا يثبت في الذمة"[67] معین امر ذمہ لازم نہیں ہوتا۔

تطبیقی مثالیں

ادھار کا تعلق ذمہ سے ہوتا ہے، معین چیز ذمہ لازم نہیں ہوتی، نیز ذمہ ایک انسانی وصف ہے، غیر انسان کا ذمہ نہیں ہوتا کہ اس پر ادھار یا قرض لازم ہو سکے، ان ضوابط سے متعلق بہت امور روزمرہ زندگی میں ہمارے سامنے آتے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

۱۔ مساجد، مدارس اور رفاہی ادارہ جات کو اپنی ضروریات کے لیے بسا اوقات قرض اور ادھار کی ضرورت پڑتی ہے، احناف اور حنابلہ کے ہاں اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ادارے کا متولی اور منتظم اپنے نام سے قرض اور ادھار لے کر ادارے کا انتظام چلائے، جبکہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں براہ راست ادارے کے نام پر قرض اور ادھار لینا جائز ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۲۔ مساجد، مدارس اور رفاہی ادارہ جات کی رجسٹریشن اور بینک اکاؤنٹ کا تعلق بھی زیر نظر ضابطہ سے ہے، وہ یوں کہ احناف کا مؤقف ادارہ جات کے قرض اور ادھار کے حوالے یہ ہے کہ چونکہ قرض اور ادھار کے لیے ذمہ ضروری ہے اور ادارہ جات کا ذمہ نہیں ہوتا اس لیے ان کے نام پر براہ راست قرض اور ادھار درست نہیں، لیکن بعض احناف فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ خلاف قیاس بوقت ضرورت حاکم کی اجازت سے ادارہ جات کے نام پر بھی قرض اور ادھار لیا جاسکتا ہے۔[68] اس لیے مساجد وغیرہ کی رجسٹریشن اور بینک اکاؤنٹ ایک اعتبار سے حکومتی اجازت ہے، پس جو ادارہ جات حکومت کے ہاں رجسٹرڈ ہیں اور انکے بینک اکاؤنٹ موجود ہیں ان کا متولی براہ راست ان ادارہ جات کے نام پر بھی قرض اور ادھار لے سکتا ہے۔

۳۔ ادارہ جات پر لازم ہونے مختلف سرکاری وغیر سرکاری واجبات جیسے بجلی، پانی اور گیس کے بل وغیرہ بھی ادارہ جاتی ادھار کی ایک مثال ہے، جو کہ فقہائے شوافع اور مالکیہ کے ہاں غیر مشروط جائز ہیں، حنابلہ کا ایک قول بھی جواز کا ہے، نیز احناف کے ہاں حکومتی اجازت سے مشروط ہے، لہذا جو ادارہ جات رجسٹرڈ ہیں ان کے لیے فقہاء کے اتفاق سے ذمہ ثابت ہے، اور مذکورہ واجبات کا لزوم اور ان کی ادائیگی اس ضابطہ کے تحت ان ادارہ جات کے انتظام کا ایک حصہ ہے۔

۴۔ ملکی سطح پر مختلف سرکاری ادارہ جات اور عالمی سطح پر مختلف ادارہ جات و ممالک کے مابین لین دین میں ادھار اور قرض کے معاملات بھی ادارہ جاتی قرض و ادھار کی ایک مثال ہے، جہاں ادارہ جات کے سربراہان و نمائندگان اور حکومتی نمائندے یا ملکی سربراہان معاملات کو طے کرتے ہیں، اور بوقت ضرورت ان ادارہ جات اور ممالک سے مطالبہ اور وصولی وادائیگی کی جاتی ہے۔

الدين يقضي عن ايسر المالين قضاءً

ادائیگی کے اعتبار سے آسان ترین مال سے ادھار ادا کیا جائے گا

جب ادھار کی ادائیگی کا وقت آن پہنچے تو بلاشبہ دائن کو مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے، اس صورت میں اگر مدیون کے پاس مختلف نوعیت کے اموال ہوں، جن میں سے کچھ فی الحال میسر ہوں اور کچھ اس کی دسترس سے باہر ہوں، تو اس صورت میں دائن انہیں موجودہ اموال میں سے جو ابھی مدیون کے پاس میسر ہیں وصولی کرے گا، یا جو مال اس کا حق ہے اسی مال کی دستیابی کا انتظار کرے گا؟ آئندہ سطور میں اسی مسئلہ کے تناظر میں زیر نظر ضابطہ کی تشریح وتفصیل کی جارہی ہے۔

ضابطہ کی توضیح

زیر نظر ضابطہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ جب دین کی ادائیگی کا وقت آگیا تو اب دائن کو اپنے مدیون سے دین کے مطالبے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، نیز مدیون کو اس بنیاد پر تاخیر کرنے یا ٹال مٹول سے کام لینے کی اجازت نہیں کہ اس کے کچھ اموال فی الحال اس کے پاس موجود نہیں بلکہ اس کی دسترس سے باہر ہیں؛ کیونکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس مال سے ادائیگی میں سہولت ہو اسی مال سے دائن کا حق فی الفور ادا کر دیا جائے، نیز مختلف نصوص میں حقوق کی ادائیگی اور ٹال مٹول سے اجتناب کی تلقین وارد ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: " مطل الغني ظلم "[69] مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔" لہذا مدیون پر لازم ہے کہ فی الفور دائن کے حق کی ادائیگی انتظام کرے، اور جو اموال اس کے پاس فی الحال میسر ہیں ان سے ادائیگی بلاشبہ آسان ترین ہے، پس انہی اموال میں سے ادائیگی کر کے دائن کا حق اس کے حوالے کرے، اسی کو امام سرخسیؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب مبسوط میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے: " الدين يقضي عن ايسر المالين قضاء "[70] ادائیگی کے اعتبار سے آسان ترین مال سے ادھار ادا کیا جائے گا۔

ضابطہ کی دلیل

جب مدیون کے لیے دین ادائیگی ممکن ہو اور اس کی وجہ سے اس کی بنیادی ضروریات میں کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے ٹال مٹول حرام ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " مطل الغني ظلم "[71] مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔" امام ابن حزم ظاہریؒ نے مذکورہ صورت میں دین کی ادائیگی کے لازم ہونے پر اجماع نقل کیا ہے: "أجمعوا على أن كل من لزمه حق في ماله أو ذمته لأحد ففرض عليه أداء الحق لمن هو له عليه إذا أمكنه ذلك وبقي له بعد ذلك ما يعيش به أياما هو ومن تلزمه نفقته "[72] ہر وہ شخص جس مال میں یا جس کے ذمہ پر کسی کا حق ہو فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس حق کی ادائیگی اس پر فرض ہے، بشرطیکہ یہ ادائیگی اس کے بس میں ہو اور اس ادائیگی کے بعد اس کے لیے اور اس کے اہل وعیال کے لیے چند دن کے گزارے کا سامان بچ سکتا ہو۔" نیز یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ دین کی ادائیگی کا وقت آن پہنچنے پر اسی مال سے ادائیگی آسان اور تیز ترین ہو گی جو مدیون کے پاس فی الحال موجود و میسر ہو۔

متعلقہ قواعد

مذکورہ بالا ضابطہ سے متعلقہ دیگر قواعد فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں جن میں دین کی ادائیگی سے متعلق اصول متعین کیے گئے ہیں، ذیل میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

- " إن الدين يقضى عن أيسر المالين قضاء "[73] ادائیگی کے اعتبار سے آسان ترین مال سے ادھار ادا کیا جائے گا۔
- "إن الدين يقضى بمثله"[74] ادھار اس کے مثل مال سے ادا کیا جائے گا۔
- "إن الدين يقضى من المال لا من غيره"[75] ادھار کی ادائیگی مال سے ہوگی نہ کسی اور شے سے۔
- " إذا ثبت تعلق الدين برقبة العبد وكسبه فإن الدين يقضي من الكسب أولا "[76] جب غلام کی مالیت اور کمائی کے ساتھ ادھار کا واسطہ پڑے گا تو پہلے کمائی میں سے ادھار چکایا جائے گا۔

تطبیقی مثالیں

مذکورہ بالا ضابطہ کی بہت ساری مثالیں ہماری روزمرہ زندگی میں سامنے آتی ہیں، ذیل میں ان میں سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ لین دین کے معاملات میں بعض اوقات جب بہت تاخیر ہو جائے اور مدیون پیسے نہ ہو کا عذر پیش کر رہا ہو تو مدیون سے ادھار وصول کرنے کے لیے دائن پیسوں کے علاوہ اس کے گھر کے مال واسباب اٹھا کر ان کی قیمت سے اپنا وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے، قانونی طور پر دائن کے لیے ایسا درست ہے، لیکن بہر حال اس امر کی رعایت ضروری ہے کہ مدیون کو بالکل قلاش نہ کر دے۔

۲۔ بینک وغیرہ سے قرض لیتے وقت جائیداد کے کاغذات یا سونا وغیرہ رکھوایا جاتے ہیں، جب قرض لینے والا مقررہ وقت پر قرض ادا نہ کرے تو بینک اس کا جائیداد یا سونا ضبط کر لیتا ہے، قرض وصولی کے لیے قانونی طور پر یہ طریقہ درست ہے؛ کیونکہ قرض وصولی کے لیے فی الحال یہی مال بسہولت دستیاب ہے۔

۳۔ اگر مدیون کے پاس نقدی موجود نہ ہو لیکن گاڑی موجود ہے جس کی قیمت سے دین کی ادائیگی ممکن ہے، اب اگر مدیون دائن سے کہہ رہا ہے کہ انتظار کیجیے، میں گاڑی فروخت کر کے آپ کا دین ادا کرتا ہوں، لیکن دائن انتظار نہیں کر سکتا تو مدیون پر لازم ہے کہ اگر دائن رضامند ہو تو دین کی ادائیگی اس گاڑی کی صورت میں کر دے کیونکہ فی الحال ادائیگی کے لیے یہی مال میسر ہے۔

الإبراء انما يتوجه الي ما استقر من الديون في الذمم

ابراء کا تعلق صرف ذمہ لازم ادھار کے ساتھ ہوتا ہے

حقوق العباد کی ادائیگی کے دو طریقے ہیں، پہلا طریقہ ان حقوق کی ادائیگی ہے کہ مہر، ثمن یا قرض کی شکل میں جو رقم آپ کے ذمہ لازم ہے آپ حق دار کو اس کی ادائیگی کر کے اپنا ذمہ فارغ کر دیں، دوسرا طریقہ ابراء یعنی معافی کا ہے، جس میں حق دار اپنا حق معاف کر کے مدیون و مقروض کا ذمہ فارغ کر دے، مذکورہ ضابطہ میں دوسرا معاملہ یعنی ابراء جس کو ہمارے عرف میں قرض معافی کا نام دیا جاتا ہے زیر بحث آئے گا۔

ضابطہ کی توضیح

حق دار کے حق کی ادائیگی کا ایک طریقہ ابراء ہے، ابراء عربی زبان کا لفظ ہے، علامہ ابن فارس ابراء کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " التباعد من الشيء ومزايلته، ومن ذلك البرء وهو السلامة من السقم "[77] ابراء کا معنی ہے کسی چیز سے دوری اختیار کرنا اور اسے الگ کر دینا، اسی سے لفظ " البرء " نکلا ہے، جس کا معنی بیماری سے تندرستی کا ہے۔ "اسی طرح علامہ فیومیؒ لکھتے ہیں: "برئ زيد من دينه يبرأ ..... براءة سقط عنه طلبه فهو بريء "[78] براءت کا معنی ہے ادھار کا مطالبہ ختم ہو جانا، اس سے صفت مشبہ " بريء " آتا ہے۔ "کوئی شخص کسی مطالبے یا مقدمے سے چھوٹ جائے تو ہم عام اپنی عام بول چال میں بھی اس لے لیے بری کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ فلاں اس معاملہ میں بری ہو گیا۔ فقہ کی اصطلاح میں ابراء کی تعریف یوں وارد ہے: "فهو أن يبرئ أحد آخر من تمام حقه الذي له في ذمته , أو يحط مقدارا منه "[79] ابراء یہ ہے ایک حق دار دوسرے شخص کو (جس پر اس کا حق لازم ہے) اپنا پورا حق معاف کر دے یا اپنے حق میں سے کچھ حصہ معاف کر دے۔"

ضابطہ کی دلیل

مذکورہ ضابطہ میں ذمہ سے حق معاف کر دینے سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابراء کا تعلق صرف دیون کے ساتھ ہے، کیونکہ ضابطہ چہارم " مالايكون في الذمة لايكون دينا "میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ دین ذمہ لازم ہوتا ہے نہ کہ عین، اس بناء پر جمہور کا مؤقف ہے کہ اعیان کا ابراء درست نہیں، اس کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

اصل وجہ یہ ہے ابراء کا مطلب حق ساقط کرنا ہے، جبکہ عین کو ساقط ہی نہیں کیا جاسکتا۔[80] اسی طرح اعیان کی ملکیت اسقاط قبول نہیں کرتی، بلکہ ان ملکیت انتقال ملکیت کے مختلف ذرائع جیسے بیع، ھبہ اور میراث وغیرہ کے ساتھ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ پس اگر کسی کے پاس کوئی امانت رکھی ہوئی یا غصب کی ہوئی کوئی چیز ہے، اور اس کا مالک مذکورہ شخص کو بری کرے تو یہ ابراء درست نہیں ہوگا، نیز یہ چیز بدستور اس مالک کی ملکیت ہوگی، ہاں البتہ اگر وہ چیز کسی طرح سے ضائع ہوئی کس کی وجہ سے غاصب یا امین پر اس کی قیمت بطورِ ضمان لازم ہوگئی، تو اس صورت میں اس کو بری قرار دینا درست ہے، کیونکہ اب قیمت اس کے ذمہ لازم ہوگئی، اور ذمہ لازم حقوق سے بری قرار دینا درست ہے۔[81]

ضابطہ کی تفصیل

ابراء کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ اسقاط ہے کہ اس میں لازم حق کو معاف کرکے مطلوبہ شخص کو ادائیگی سے بری قرار دیا جاتا ہے، یا یہ تملیک ہے کہ اس میں لازم شدہ حق کو مطلوبہ شخص کی ملکیت میں دے کر اس کو فارغ کر دیا جاتا ہے، اس حوالے سے حضرات فقہاء کے تین مؤقف ہیں، ذیل میں ہر ایک کا مؤقف تفصیل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ ابراء محض اسقاط ہے، جس میں تملیک کا کوئی عنصر شامل نہیں، یہ فقہائے حنابلہ کا مؤقف[82] ہے، نیز مالکیہ کا ایک مرجوح قول[83] اور شوافع کا ایک غیر اصح قول[84] بھی ہے۔ اس قول کے مطابق جب ابراء اسقاط ہوگیا تو اس میں قبول کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح قصاص اور شفعہ کے اسقاط میں قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ فلاں کو کوئی چیز ھبہ نہیں کرے گا، اور پھر اس کو بری کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا؛ کیونکہ ھبہ میں تملیک لازم ہے جبکہ اس قول کے مطابق ابراء محض اسقاط ہے۔[85]

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابراء تملیک ہے کہ اسقاط، یہ مالکیہ کا راجح مؤقف[86] اور شوافع کا راجح قول[87] ہے، نیز حنابلہ کی بھی ایک روایت[88] ہے۔ اس مؤقف کی رو سے ابراء کا مطلب یہ ہے کہ دائن مدیون کو دین کا مالک بنا دیتا ہے، جب وہ دین کا مالک بن جاتا ہے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ پس جب ابراء تملیک ہو گیا تو اب اس میں تملیک کے احکام جاری ہونگے، لہذا ابراء کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں ہوگا، اسی طرح ابراء میں معاف کیے جانے والے حق کا مجہول یا مبہم ہونا بھی درست نہیں ہوگا، نیز ابراء میں مدیون کا قبول کرنا بھی ضروری ہوگا، مدیون کے بے خبر ہونے کی صورت میں ابراء درست نہیں ہوگا، اور اس کے قبول نہ کرنے کی صورت میں ابراء رد ہو جائے گا۔[89]

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابراء ایک اعتبار سے اسقاط ہے اور ایک اعتبار سے تملیک، یہ فقہائے حنفیہ کا مؤقف[90] ہے۔ اس قول کے مطابق مختلف احوال کے اعتبار سے ابراء پر کبھی اسقاط کے احکام لاگو ہونگے تو کبھی تملیک کے احکام۔ نیز بعض شافعی فقہاء نے بھی اس کے قریب قریب ایک مؤقف اختیار کیا ہے جو کافی مناسب ہے، علامہ سمعانیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں: "إنه تمليك في حق من له الدين إسقاط في حق المديون، وذلك لأن الإبراء إنما يكون تمليكا باعتبار أن الدين مال، وهو إنما يكون مالا في حق من له الدين فإن أحكام المالية إنما تظهر في حقه."[91] ابراء دائن کے حق میں تملیک ہے جبکہ مدیون کے حق میں اسقاط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراء کا تملیک ہونا فقط دین کے مال ہونے کے اعتبار سے ہے، اور دین صرف دائن کے لیے مال ہوتا ہے؛ کیونکہ دین کی مالیت کے احکام صرف دائن کے حق میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد وضوابط فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں، جن میں مختلف تعبیرات کے ساتھ اس اصول کو واضح کیا گیا ہے کہ ابراء کا تعلق ذمہ لازم حق کے ساتھ ہے کہ عین کے ساتھ، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- "الإبراء انما يتوجه الي ما استقر من الديون في الذمم، لا إلى ما في الأيدي من الأعيان"[92] ابراء کا تعلق صرف ذمہ لازم ادھار کے ساتھ ہوتا ہے، نہ قبضہ میں موجود معینہ اشیاء کے ساتھ۔
- "الأعيان لا تقبل الإبراء"[93] معین اشیاء ابراء قبول نہیں کرتے۔
- "الإبراء إسقاط أو تمليك"[94] ابراء کا مطلب ہے حق ساقط کرنا یا مالک بنانا۔
- "الإبراء من المعين لايصح"[95] معین شے سے بری قرار دینا درست نہیں۔

ضابطہ کی تطبیق

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے بہت سارے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں زیر نظر ضابطہ بروئے کار لایا جارہا ہے:

۱۔ میراث کی تقسیم میں عام طور پر برصغیر پاک وہند میں بہنوں اور پھوپھیوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ شریعت کے ساتھ متصادم رویہ ہے، ان حیلوں بہانوں میں ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بہنوں اور پھوپھیوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ میراث میں اپنا حق معاف کر کے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو بخش دے، یہ معاف کروانے کی کوشش ابراء ہے، اور ابراء صرف ذمہ لازم حقوق میں جاری ہوتا ہے، جبکہ یہاں میراث عام طور جائیداد کی شکل میں یا نقدی وکاروبار کی شکل ایک معین و مجسم امر ہوتا ہے، لہذا یہ ابراء سرے سے درست نہیں چاہے بہن یا پھوپھی دل سے رضامند ہو کر معاف کرے، ااس معافی کے باوجود ان کا حق برقرار رہے گا۔

۲۔ بعض اوقات اپنے رشتہ داروں یا دوستوں وغیرہ سے کوئی چیز چھین کر پھر زبردستی معاف کروانے کی کوشش کی جاتی تاکہ وہ چیز حلال ہو جائے، یہ بھی ابراء ہے، جو کہ معین و مجسم چیز پر جاری نہیں ہوتا، لہذا اس مغصوبہ شے کی ملکیت اب بھی اس کے مالک کی ہوگی، اور معاف کروانے کے باوجود لینے والے کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

۳۔ حکومتی شخصیات اور ان کے متعلقین سرکاری خزانے یا توشہ خانہ وغیرہ سے مختلف قیمتی اشیاء قیمت ادا کیے بغیر اپنے لیے ضبط کر لیتے ہیں، پھر مختلف حیلوں بہانوں سے انہیں معاف کروانے کے راستے ڈھونڈتے ہیں، اگر کوئی مقتدر ادارہ ان کو معافی کی دستاویز جاری بھی کرے تو یہ ابراء ہوگا جو کہ معین و مجسم اعیان پر جاری نہیں، لہذا ان غصب شدہ اشیاء کا بہر صورت سرکاری خزانے میں واپس جمع کرنا لازم ہے۔

۴۔ دکان سے خریداری کر کے آکر میں کسی ایک شے کے پیسے معاف کروانا در حقیقت حط فی الثمن یعنی بھاؤ میں رعایت لینا ہے جو کہ درست ہے، لیکن بعض اوقات کسی رشتہ دار یا دوست وغیرہ سے ہم ایک چیز خریدتے ہیں، پھر اس کی قیمت ادا کرنے کے بجائے بائع سے کہتے ہیں کہ یہ چیز مجھے معاف کر دو تو یہ معین شے ابراء ہے، اور معین شے سے ابراء بلاشبہ درست نہیں، پس اس چیز کو واپس کرنا یا اس کی طے شدہ قیمت ادا کرنا بہر صورت لازم ہے۔

صاحب الدين اذا ظفر بجنس حقه من مال المديون ياخذه لحقه

دائن کو جب مدیون کے مال میں سے اپنے ادھار کی ہم جنس چیز ملے تو بطور اپنے حق کے وصول کرے

فقہاء کے ہاں یہ مسئلہ "مسئلۃ الظفر" کے نام سے مشہور ہے، جب مدیون باوجود یکہ اس پر دین لازم ہے دین کا انکاری ہو تو کیا دائن قاضی سے رجوع کیے بغیر خود مدیون کے مال سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے؟ اس ضابطہ کے تحت تفصیل کے ساتھ یہ موضوع بیان کیا جائے گا۔

ضابطہ کی توضیح

اس ضابطہ میں لین دین کے معاملات کا ایک اہم مسئلہ بیان ہو رہا ہے، کہ بعض اوقات ایسی صورت پیش آتی ہے کہ مدیون دائن کا حق ماننے سے انکاری ہو جاتا ہے، اب اس صورت میں دائن کیا کرے گا؟ کیا وہ قاضی سے رجوع کیے بغیر اپنا حق وصول کر سکتا ہے؟ نیز مدیون کے کوئی بھی مال ہاتھ لگے ضبط کر سکتا ہے یا صرف اپنے حق کا ہم جنس مال میسر تو تب ہی وصول کرے گا؟ حافظ ابن حجر ان الفاظ کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں: " من له عند غيره حق وهو عاجز عن استيفائه جاز له أن ياخذ من ماله قدر حقه بغير إذنه"[96] جب کسی کا دوسرے شخص پر حق لازم ہو جبکہ وہ وصولی سے عاجز ہو، تو اس حق دار کے لیے جائز ہے کہ اس کے مال سے بلا اجازت اپنے حق کے بقدر وصول کرے۔" وصولی سے عاجزی کا مطلب یہی ہے کہ مدیون انکاری ہو؛ کیونکہ جب مدیون اقرار کر کے ادائیگی کا وعدہ کرے تو اس صورتحال کو عاجزی سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ لہذا ایسی صورتحال میں فقہاء کا اتفاقی مؤقف ہے کہ دائن کے لیے مدیون کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے وصولی درست نہیں، ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: "إذا كان لرجل على غيره حق، وهو مقر به، باذل له، لم يكن له أن يأخذ من ماله إلا ما يعطيه، بلا خلاف بين أهل العلم، فإن أخذ من ماله شيئا بغير إذنه، لزمه رده إليه، وإن كان قدر حقه"[97] جب ایک آدمی کا دوسرے پر حق لازم ہو، اور وہ دوسرا آدمی اس کے حق کا اقرار کر رہا ہو اور ادائیگی پر رضامند ہو، تو فقہاء کا اس حوالے اتفاق ہے کہ مدیون کے مال سے یہ حق دار صرف وہی وصولی کر سکتا ہے جو وہ ادا کرے، اگر بلا اجازت اس کے مال سے وصولی کرے تو اس کو لوٹانا لازم ہوگا چاہے اس کے حق کے بقدر کیوں نہ ہو۔"

ضابطہ کی تفصیل

جب کسی کا دوسرے شخص پر حق لازم ہو لیکن وہ ادائیگی سے انکاری ہو تو اس حق دار کو اس مدیون کے مال میں سے کوئی چیز ہاتھ لگے تو بلا اجازت اور قاضی سے رجوع کیے بغیر بھی اس کو وصولی کا حق حاصل ہے، یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں "مسئلۃ الظفر" کے نام سے مشہور ہے۔ اگر مدیون حق کا اقرار کر کے ادائیگی پر رضامند

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

ہو تو اس صورت میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کے مال سے وصولی ناجائز ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ لیکن اگر مدیون انکاری ہو تو اس صورت میں مدیون کی اجازت کے بغیر اور حق کے ہم جنس مال کے علاوہ سے وصولی جائز ہے یا نہیں اس حوالے سے فقہاء کے تین اقوال ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ حق دار دوسرے کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی صورت وصولی نہیں کر سکتا، یہ امام مالکؒ کا مسلک[98] ہے، نیز حنابلہ کی مشہور روایت[99] بھی یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه"[100] کسی مسلمان کو کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں۔ " پس اگر حق دار مدیون کے مال میں سے اپنے حق کا ہم جنس مال وصول کرے گا مدیون کی رضامندی کے بغیر وصولی آپ ﷺ نے ناجائز قرار دی، اور اگر اپنے حق کے جنس کے علاوہ مال ضبط کرے گا تو یہ عقد معاوضہ ہے جو طرفین کی رضامندی کے بغیر ناجائز ہے۔[101]

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حق دار مدیون کے انکار کی صورت میں اپنے حق کے ہم جنس مال سے مدیون کی رضامندی اور قاضی کے فیصلے کے بغیر وصولی کر سکتا ہے، لیکن اگر جنس مختلف ہو تو تب وصولی کی اجازت نہیں۔ یہ فقہائے احناف کا مذہب[102] ہے، نیز امام احمدؒ کی ایک روایت[103] بھی اسی طرح ہے۔ اس مؤقف کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: "فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ"[104] جو آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو اس کے برابر اس سے بدلہ لو۔ " اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: " وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ به "[105] اگر مخالفین آپ کو تکلیف پہنچائے تو ان کی تکلیف کے بقدر ان سے بدلہ لو۔ " ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی کے وقت اپنے حق کی وصولی جائز ہے، اور مدیون کا ادائیگی سے انکار بلاشبہ زیادتی ہے۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ حضرت ھند رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے ابوسفیان کی طرف سے کم خرچ ملنے کی شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے انہیں جواب میں فرمایا: " خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف "[106] اس کے مال میں سے اپنے اور اپنے اولاد کے مناسب گزارے کا خرچ لیا کرو۔ " نیز قاضی کے پاس مقدمہ لے جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قاضی کے پاس مقدمہ دائر کرنے کی صورت میں کافی مشقت اور وقت کی بربادی ہے۔[107]

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مدیون کے انکار کی صورت میں حق دار ہر صورت اپنا حق وصول کرے، اگر اپنے حق کا ہم جنس مال ملے تو اس میں سے وصول کرے، اور اگر اپنے حق کا ہم جنس مال ہاتھ نہ لگے تو کوئی اور چیز ضبط کر لے۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک[108] ہے، نیز امام مالکؒ کا ظاہر قول[109] اور اہلِ ظاہر کا مؤقف[110] بھی یہی ہے۔ یہ حضرت بھی فریق ثانی کے مستدلات سے استدلال کرتے ہیں، لیکن ان دلائل کی توجیہ میں کچھ رد و بدل کر کے ان سے اپنا مؤقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے مذکورہ سابقہ آیات کی توجیہ میں کہتے ہیں کہ مدیون کے انکار کی صورت میں اس سے انصاف کے ساتھ وصولی کا عمومی حکم ہے، اگر حق دار کو اپنے حق کی ہم جنس چیز نہ ملے تو کوئی اور چیز ضبط کر کے اپنا حق وصول کرے۔[111] اسی طرح حضرت ھند رضی اللہ کے واقعے کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں عرف کے مطابق مناسب مقدار میں خرچ کا اندازہ لگانے کی ہدایت فرمائی، یہ قیمت مقرر کرنا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ باریک بینی کا کام ہے۔[112]

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے ضوابط فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں جن میں مدیون کے انکار کے وقت اس سے وصولی کا حوالے سے اصول وضع کیے گئے ہیں، ذیل میں ان قواعد میں سے چند ایک قواعد فقہ کی مختلف کتابوں سے جمع کر کے پیش کیے جا رہے ہیں:

- " صاحب الدين اذا ظفر بجنس حقه من مال المديون ياخذه لحقه "[113] دائن کو جب مدیون کے مال میں سے اپنے ادھار کی ہم جنس چیز ملے تو بطور اپنے حق کے وصول کرے۔
- " صاحب الحق اذا ظفر بجنس حقه كان له أن ياخذه "[114] حق دار کو جب (مدیون کے مال سے) اپنے حق کی ہم جنس چیز ملے تو اسے لینا اس کے لیے جائز ہے۔
- " كل من كان له حق على أحد منعه إياه فله أخذه منه "[115] ہر وہ شخص جس کا دوسرے پر حق لازم ہو جسے وہ ادا کرنے سے انکاری ہو تو یہ اس سے (زبردستی) وصول کر سکتا ہے۔
- " للدائن أن يأخذ بيده إذا ظفر بجنس حقه بغير رضا المدين "[116] جب دائن کو (مدیون کے مال سے) اپنے حق کی ہم جنس چیز ملے تو مدیون کی رضامندی کے بغیر اسے قبضہ کر سکتا ہے۔
- " من له حق عند من يمنعه منه له أخذه بغير علمه ولو من جنس غيره "[117] جس کا ایسے شخص پر حق لازم ہو جو دینے سے انکاری ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ مدیون کو اطلاع کیے بغیر (اس کے مال سے) وصولی کرے، اگرچہ وہ وصول شدہ چیز اس کے حق کا ہم جنس نہ ہو۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ سے متعلق کافی سارے معاملات ہمارے روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند صورتیں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں جہاں یہ ضابطہ لاگو ہوسکتا ہے:

۱۔ شوہر کے ذمے بیوی کا مہر اور نفقہ ایک لازم حق ہے، اگر شوہر طیب خاطر کے کے ساتھ بیوی کے یہ حقوق ادا کرے تو بہت بہتر ہے، لیکن اگر طبعی بخل کی وجہ سے بیوی پر تنگی کرے، اس کو مناسب خرچ دینے سے پہلو تہی کرے یا مہر کی ادائیگی سے انکاری ہو جائے، تو بیوی کے لیے جائز کے شوہر کے مال سے اپنے یہ حقوق غیر محسوس طریقے سے وصول کرتی رہے۔ ہاں البتہ اس میں شوہر کے مزاج کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط ضروری ہے تاکہ رشتہ خراب ہونے کی نوبت نہ آئے، نیز مہر کی مقرر مقدار یا نان نفقہ کی مناسب مقدار سے تجاوز بالکل نہ کرے ورنہ حرام کے زمرے میں آئے گا۔

۲۔ بعض اوقات دکاندار کا کوئی گاہک کسی ادھار سے مکر جاتا ہے، لیکن معمول کی خریداری اس دکان سے جاری رکھتا ہے، اس دوران اگر دکاندار کو اس گاہک سے اپنا حق وصول کرنے کا کوئی موقع ہاتھ آئے تو اپنا حق وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے وہ گاہک خریداری کرتے وقت غلطی سے کچھ رقم اضافی ادا کرے تو دکاندار اس کو بتائے بغیر اس رقم کو سابقہ ادھار میں حساب کرکے رکھ سکتا ہے، ہاں البتہ یہ امر بہر صورت ملحوظ رہے کہ سابقہ ادھار سے زیادہ ایک روپیہ بھی وصول نہ کرے ورنہ حرام مال کھانے کے گناہ کا مرتکب ہو جائے گا۔

۳۔ بعض اوقات کمپنی یا ادارہ کسی ملازم کی تنخواہ سے بلاوجہ کٹوتی کرکے اس کا حق مارنے کی کوشش کرتی ہے، اس صورت میں اگر واقعی ملازم بے قصور ہے اور مکمل ڈیوٹی کرکے اپنے فرائض درست طریقے سے انجام دے رہا ہے لیکن بلاوجہ اس کا حق مارا جارہا ہے تو کوئی طریقہ بروئے کار لاکر اپنے تنخواہ کی کٹوتی کی رقم وصول کرنے کا حق رکھتا ہے، لیکن اس دوران یہ امر ضرور ملحوظ رہے کہ کہیں بے احتیاطی سے اپنے آپ کو بدنام کرکے مجرم نہ بنادے۔

۴۔ حکومت کی طرف سے بجلی اور گیس کی اوور بلنگ اور بلاوجہ کے جرمانے وغیرہ بھی اس زمرے میں آتے ہیں، صارف اس صورت میں اپنا حق مناسب طریقے سے وصول کرسکتا ہے، البتہ احتیاط ضروری ہے تاکہ چند پیسوں کی خاطر اپنی عزت اور ساکھ مجروح نہ کردے، نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اپنے حق سے زیادہ ہرگز وصول نہ کرے، ورنہ حرام میں مبتلا ہونے کا گناہ لازم آئے گا۔

۵۔ اگر کوئی شخص کسی معاملے میں حکومت کا نادہندہ ہے اور بینک میں اس کا اکاؤنٹ موجود ہے جس میں اس پر حکومت کی طرف سے لازم شدہ رقم کے بقدر پیسے موجود ہے تو حکومت اس کے اکاؤنٹ سے مطلوبہ رقم وصول کرسکتی ہے۔

الدين الحال لايتأجل بالتأجيل

جس ادھار کی ادائیگی فی الفور لازم ہو اس کی مدت مقرر نہیں ہوسکتی

اس ضابطہ کے تحت ان دیون کی بارے میں اصولی گفتگو ہورہی ہے جن کی ادائیگی فی الفور لازم ہو، یا ان کی مدت مقرر تھی لیکن اب ادائیگی کا وقت آن پہنچا، اگر دائن اور مدیون ان دیون کے لیے کوئی وقت مقرر کرنے پر باہمی رضامند ہو جائیں تو اس کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ نیز ایسا کرنے کی صورت میں دائن کے مطالبہ کرنے کا حق مؤخر ہو جائے گا یا اب بھی اس کا مدیون سے اپنے حق کی وصولی کا استحقاق برقرار ہے؟ ذیل میں اس حوالے سے تفصیلات پیش خدمت ہیں:

ضابطہ کی توضیح

دیون کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی قسم دین حال کہلاتی ہے، یہ وہ دین ہے جس کی ادائیگی دائن کے مطالبہ کے وقت فی الفور لازم ہوتی ہے، نیز اس کے وصولی کے لیے عدالت سے رجوع کا حق بھی ہوتا ہے۔[118]

۲۔ دوسری قسم دین مؤجل کہلاتی ہے، یہ وہ دین ہے جس کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں ہوتی، بلکہ معاملہ طے کرتے وقت ہی دائن اور مدیون اس کے ایک مدت مقرر کرنے پر باہمی رضامند ہو جاتے ہیں، اس مدت سے پہلے اس دین کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی، لیکن اگر مدیون مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کرے تو درست ہے، اور کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔[119]

مذکورہ بالا ضابطہ کا مقصد یہ ہے کہ دین حال یعنی جس دین کی مؤخر ادائیگی کے لیے کوئی سمجھوتہ نہ ہوا ہو، یا دین مؤجل جس کی ادائیگی کی کا وقت مقرر تھا اور اب وہ وقت آن پہنچا، تو اس صورت میں اگر مدیون مزید مہلت کا طلب گار ہو کر دائن سے ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر کرنے کا مطالبہ کرے اور دائن اس کے ساتھ رضامند ہو جائے، تو اس معاہدے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں اور دائن پر اس کی پابندی لازم نہیں۔ نیز ایسا کرنے کی صورت میں دائن کے مطالبہ کرنے کا حق

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

مؤخر نہیں ہوگا، بلکہ اب بھی اس کا مدیون سے اپنے حق کی وصولی کا استحقاق برقرار رہے گا، خلاصہ یہ کہ مذکورہ معاہدہ کی پابندی دائن پر لازم نہیں، وہ کسی بھی وقت مدیون سے اپنے حق کی وصولی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

ضابطہ کی تفصیل

ادھار کی ادائیگی کے لیے مدت مقرر کرنا جس کو فقہ کی اصطلاح میں "تاجیل الدین" کا مسئلہ فقہاء کے مابین ایک اختلافی مسئلہ ہے، اس کو سمجھنے سے قبل ایک تمہید بیان کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ کچھ دیون ایسے ہوتے ہیں جو سرے سے تاجیل قبول نہیں کرتے جیسے بیع سلم کا راس المال یا بیع الصرف میں عوضین۔ ان کے مقابلے میں اکثر دیون ایسے ہوتے ہیں کہ وہ تاجیل قبول کرتے ہیں، اگر فریقین معاملہ کے وقت ان کے لیے ایک مدت مقرر کرنے پر رضامند ہو جائیں تو وہ تاجیل قبول کرتے ہیں۔ زیرِ نظر ضابطے کا تعلق دیون کی اس دوسری قسم کے ساتھ ہے، جب ان دیون کی ادائیگی کا وقت آن پہنچے پھر فریقین باہمی رضامندی کے ساتھ کوئی معین یا غیر معین مدت تک تاخیر پر رضامند ہو جائیں تو آیا اس پر عمل کرنا لازم ہوگا؟ اس حوالے سے فقہاء کا اختلاف ہے:

۱۔ پہلا مؤقف یہ ہے کہ دینِ حال تاجیل قبول نہیں کرتا، اگر دائن تاجیل پر راضی بھی ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے ایک احسان ہے جس کو پورا کرنا لازم نہیں، یہ امام شافعیؒ[120] اور امام احمدؒ[121] کا مسلک ہے۔ ان حضرات کی نقلی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے: "مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ"[122] احسان کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں "اس آیت میں سبیل نکرہ ہے جو نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے عمومیت کا فائدہ دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ احسان کرنے والوں پر کوئی حق لازم نہیں جس پر انہیں ملامت کیا جا سکے، پس اگر دینِ حال میں تاجیل کر کے دائن احسان کرنے تو اس پر بھی یہ حق لازم نہیں، ورنہ مذکورہ آیت کے مقتضی کے خلاف ہو جائے گا۔[123] ان حضرات کی دوسری دلیل عقلی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دائن نے اجل مقرر کر کے ایک تبرع یعنی احسان کیا، نیز یہ اس کی طرف سے بلا عوض فائدہ دینے کا وعدہ ہے، لہذا اس کا پورا کرنا اس پر لازم نہیں جس طرح کوئی شخص ایک چیز بطور عاریت دے کر اس کے لیے مدت بتا دے تو اس مدت سے قبل بھی اپنی چیز واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ عاریت اس کی طرف سے محض ایک احسان اور تبرع ہے۔[124]

۲۔ دوسرا مؤقف یہ ہے کہ دینِ حال کی تاجیل درست ہے، نیز دائن پر یہ مقررہ اجل لازم ہو جاتا ہے اور اس کی رعایت رکھنا اس کے لیے ضروری ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ[125] اور امام مالکؒ[126] کا مذہب ہے، نیز امام کی ایک روایت بھی ہے جس کو ابن تیمیہؒ[127] نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کی نقلی دلیل حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: "أن النبي ﷺ قال: لمسلمون على شروطهم"[128] نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں پر ان کے مقرر کردہ شروط کی پابندی لازم ہے۔ "اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ معاملات میں طے پانے والے شرائط کی پابندی لازم ہے، پس جب دائن نے تاجیل پر رضامندی کا اظہار کیا تو اب اس حدیث کی رو اس کی پابندی لازم ہے۔ ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ طرفین اس عقد میں مختلف تصرفات کر سکتے ہیں، جیسے اقالہ کرنا یا اس عقد کو برقرار رکھنا، اسی طرح وہ اس عقد میں دین کی ادائیگی کی مدت کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔[129]

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن میں دین کی تاجیل کے حوالے سے ہدایات بیان کیے گئے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- "الدين الحال لا يتأجل بالتاجيل"[130] جس ادھار کی فی الفور ادائیگی لازم وہ تاجیل قبول نہیں کرتا۔
- " الحال لا يتأجل"[131] فی الفور ادائیگی والا دین مؤجل نہیں ہوتا۔
- " الأجل لا يلحق"[132] (دین حال کے ساتھ) مدت لاحق نہیں ہوتی۔
- "كل دين حل أجله لم يصر مؤجلا بتأجيله"[133] ہر وہ ادھار جس کی ادائیگی کا وقت آ پہنچے وہ مدت مقرر کرنے سے مؤجل نہیں ہوتا۔
- " كل دين أجله صاحبه فإنه يلزمه تأجيله"[134] ہر وہ دین جس کو دائن مؤجل کر دے تو اس پر اس تاجیل پر عمل کرنا لازم ہوتی ہے۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے بہت سارے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں زیر نظر ضابطہ بروئے کار لایا جا رہا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۱۔ قرض کے معاملات ہمارے معاشرے کا ایک دردناک پہلو ہے، جس میں احسان کرنے والے کے ساتھ بسا اوقات بے مروتی اور بداخلاقی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، جن میں سے ایک قرض کی ادائیگی کی مدت کے حوالے سے غفلت اور لاپرواہی بلکہ ظلم اور زیادتی کا رجحان ہے، کہ قرض وقت پر واپس کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، نیز اگر قرض خواہ مقررہ وقت سے پہلے اپنا قرض واپس مانگے تو اس کو بعض اوقات بداخلاقی اور بدتمیزی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ قرض دین کی ایک قسم ہے، دین کے بارے میں تو امام شافعی اور امام احمد کی رائے یہ ہے کہ وہ تاجیل قبول نہیں کرتا، لیکن چونکہ قرض عام دیون کے مقابلے میں محض احسان اور تبرع ہے، اس لیے عام دیون کے برعکس قرض کے بارے میں جمہور فقہاء کی یہ رائے ہے کہ قرض تاجیل قبول نہیں کرتا، قرض دینے والا چاہے ایک وقت مقرر کرنے پر رضامند بھی ہو جائے تو بھی اس پر اس کی پابندی کسی طرح لازم نہیں، وہ مقرر وقت سے قبل اپنے قرض کے مطالبے اور وصولی کا پورا حق رکھتا ہے۔[135]

۲۔ بیوی کا مہر شوہر کے ذمہ دین ہے، اگر مہر معجل ہو تو رخصتی کے ساتھ اس کی فی الفور ادائیگی لازم ہے، لیکن اگر مہر مؤجل ہو تو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے قول کے مطابق تب بھی وہ تاجیل قبول نہیں کرے گا، اور بیوی وقت مقرر سے قبل مطالبہ کر سکتی ہے، جبکہ فریق ثانی یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے قول کے مطابق تب مقرر وقت تک انتظار بیوی پر لازم ہو گا۔

۳۔ عام طور پر دکاندار سے کھاتہ کے ساتھ خریداری کرنے والے نئے مہینے کی پہلی تاریخوں میں جب تنخواہ ملتی ہے ادائیگی کرتے ہیں، عرف کا یہ مروجہ طریقہ کار شرط اور تاجیل کے بمنزلہ ہے، لہذا فریق اول یعنی جو فقہاء تاجیل کے قائل نہیں ان کے مطابق دکاندار کھاتہ والے گاہک سے اگلے مہینے کی ابتدائی تاریخوں سے قبل بھی مطالبہ اور وصولی کا حق رکھتا ہے، جبکہ فریق ثانی کو تاجیل کے قائل ہیں ان کے ہاں دکاندار کے لیے اگلے مہینے کی ابتدائی تاریخوں تک انتظار ضروری ہو گا۔

الدين لا يعودأمانة حتى يقض ثم يعاد

اُدھار امانت تب بنے گا جب اسے وصول کر کے واپس رکھوایا جائے

ادھار مدیون کے ذمہ بطور ضمان لازم ہوتا ہے، مقرر وقت آنے پر بہر صورت اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، لیکن آیا یہ ممکن ہے کہ اس ادھار کو مال مضاربت قرار دے کر مدیون کا قبضۂ ضمانت سے قبضۂ امانت سے تبدیل کر دیا جائے، اس ضابطہ کے تحت مذکورہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا، اور اس سے متعلق مختلف جہات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ضابطہ کی توضیح

دین مدیون کے ذمہ لازم ایک حق ہے، دائن قبضہ سے قبل دین کی بنیاد پر مدیون کے ساتھ کوئی معاملہ طے نہیں کر سکتا، اگر اس کی بنیاد پر کوئی عقد کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ پہلے یہ دین وصول کرے، اس کے بعد جو عقد کرنا چاہے کر لے۔ پس اگر دائن مدیون کے ذمہ لازم ادھار کو مال مضاربت سے تبدیل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ پہلے اس کی وصولی کرے، پھر اس سابقہ مدیون کو ساتھ بٹھا کر مضاربت کے معاملات طے کر کے یہ رقم مال مضاربت کے طور پر اس کے حوالے کرے۔

ضابطہ کی تفصیل

اس ضابطہ میں اصل مقصود یہ مسئلہ ہے کہ آیا ادھار کو مال مضاربت بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی دائن ادھار وصول کرنے سے قبل مدیون کو مضارب بنا کر اپنے ادھار کی رقم جو اس پر بطور ضمانت لازم تھی اسے بطور مالِ مضاربت مدیون کو بطور قبضۂ امانت حوالے کر سکتا ہے؟ اس میں فقہاء کے دو مؤقف ہیں:

۱۔ پہلا مؤقف یہ ہے کہ دین کی وصولی سے قبل مدیون کے ساتھ اسی دین کو مالِ مضاربت بنا کر عقد مضاربت کرنا درست نہیں، یہ جمہور فقہاء یعنی احناف[136]، مالکیہ[137] اور شوافع[138] کا مذہب ہے، نیز حنابلہ[139] کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔ ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے مذکورہ مذکورہ مسئلے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، ابن منذرؒ فرماتے ہیں: " أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم أنه لايجوز أن يجعل الرجل دينا له على رجل مضاربة"[140] تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص دوسرے ذمہ لازم اپنے ادھار کو مالِ مضاربت نہیں بنا سکتا۔ " ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مضارب شروع سے امین ہوتا ہے اور اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے، لیکن یہاں مضارب امین نہیں بنے گا؛ کیونکہ یہاں مضاربت ادھار کے مال پر کیا جا رہا ہے، اور ادھار پر مدیون کا قبضہ امانت کا قبضہ نہیں بلکہ ضمانت کا قبضہ ہے۔[141] ان حضرات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مضاربت رب المال کے مال پر منعقد ہوتا ہے، اور یہاں مدیون کے ذمہ دائن کا دین ہے، مدیون کے قبضہ میں موجود رقم دائن کی ملکیت نہیں بلکہ مدیون کی ملکیت ہے، یہ دائن کی ملکیت قبضہ کے بعد ہی بنے گی، لہذا اگر اس دین کی بنیاد پر مضاربت شروع کریں گے تو یہ مضاربت رب المال کے مال پر نہیں ہو گی، لہذا یہ مضاربت درست ہی نہیں ہو گی۔[142]

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ مدیون کے پاس موجود مال کی بنیاد پر عقد مضاربت کی جاسکتا ہے، یہ حنابلہ کی ایک روایت ہے۔[143] اس کی پہلی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مدیون جب مذکورہ عقد مضاربت کے بعد کوئی چیز خریدے گا تو رب المال کی اجازت سے خریدے گا، اور جس کو قیمت ادا کرے گا تو رب المال کی اجازت سے ادا کرے گا، لہذا اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا اور مذکورہ ادھار مالِ مضاربت کی صورت اختیار کرلے گا۔[144] ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ مسئلے کی صورت گویا یوں ہے کہ دائن نے مدیون کو ایک چیز حوالے کردی کہ اس کو فروخت کرکے اس سے حاصل ہونے والے ثمن پر مضاربت کرو، یہ صورت درست ہے، لہذا مذکورہ عقد بھی درست ہوگا۔[145]

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق کچھ قواعد فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں جن میں مذکورہ مسئلہ کو مختلف عبارات میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- " الدين لا يعود أمانة حتى يقبض ثم يعاد"[146] اُدھار امانت تب بنے گا جب اسے وصول کرکے واپس رکھوایا جائے۔
- " ما في الذمة لايعود أمانة حتى يقبض"[147] ذمہ لازم ادھار امانت نہیں بنتا جب تک اسے وصول کرکے قبضہ نہ کیا جائے۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے لین دین اور ادھار کے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں زیر نظر ضابطہ لاگو ہوتا ہے:

۱۔ بعض اوقات ہم مدیون سے رشتہ داری یا دوستی وغیرہ کی وجہ سے ادھار وصولی کو مشکل دیکھ کر یہ فیصلہ کردیتے ہیں کہ اس ادھار کو مالِ مضاربت قرار دے کر آپس میں مضاربت کرتے ہیں، تاکہ اگر ادھار وصولی نہ ہو تو مضاربت کی شکل میں اس سے فائدہ ملنا شروع ہو جائے، تو یہ عقد درست نہیں، جمہور فقہاء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

۲۔ادھار کو مالِ مضاربت قرار دینے صورت میں مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق مدیون پر ادھار باقی رہے گا، اس کا بطور مضارب تجارت کرنا اس کا ذاتی عمل شمار ہوگا، اس صورت میں اگر نفع ملے گا تو وہ مدیون کی ملکیت ہوگی، نیز اگر مدیون کو اس تجارت میں نقصان ہو جائے تو وہ اس کا اپنا نقصان ہوگا، دائن کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، دائن کا ادھار اب بھی مدیون کے ذمے برقرار ہوگا۔

۳۔ بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھے ہوئے پیسے بینک کے پاس بطور قرض کے ہیں، اب اگر کوئی شخص اسلامک بینک میں اپنے کرنٹ اکاؤنٹ کو مضاربہ سیونگ اکاؤنٹ میں کنورٹ کرنا چاہے تو مذکورہ ضابطہ کے رو اس کی درست صورت یہی ہوگی کہ پہلے اپنے کرنٹ اکاؤنٹ سے اپنے پورا بیلنس نکال کر اسے بند کردے، اس کے بعد نیا مضاربہ سیونگ اکاؤنٹ کھول کر نئے معاہدے کی شکل میں اس نئے اکاؤنٹ میں میں مضاربہ کے رو اپنی رقم جمع کردے۔

من لزمه الدين إذا كان حيا لزمه إذا كان ميتا

زندگی میں لازم شدہ دین موت کے بعد لازم رہتا ہے

اگر کسی کے ذمہ ادھار لازم ہے تو اس کی موت سے یہ ادھار معاف نہیں ہوگا، جس طرح اس کے ذمہ ادائیگی لازم تھی، اب وفات کے بعد اس کے میراث سے یہ ادھار ادا کرنا وارثین کی ذمہ داری ہے اور دائن ان وارثین سے مطالبہ اور وصولی کا پورا حق رکھتا ہے۔

ضابطہ کی توضیح

مذکورہ ضابطہ لین دین اور معاملات کے باب کا ایک اہم اصول ہے کہ اگر کسی پر ادھار یا قرض لازم ہے تو اس کے مر جانے کی وجہ سے حقدار کا حق ضائع نہیں ہوگا، چاہے وہ تنگدستی کی حالت میں وفات پائے یا مالداری کی حالت میں۔ اب اگر اس نے اپنے پیچھے کافی مقدار میں میراث چھوڑا ہے تو اس میراث کے مال سے ادائیگی کی جائے گی، اور اگر میراث کا مال کم ہے یا موجود ہی نہیں تو اس صورت میں اس کے ورثاء اور متعلقین میں سے کوئی ان حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری لے کر اداء کرے گا۔

ضابطہ کی تفصیل

زیر نظر ضابطہ کے ساتھ معاملات کے باب کا ایک اہم مسئلہ متعلق ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ میت کے مرنے سے اس کے ذمہ لازم حقوق یعنی دین اور قرض وغیرہ معاف نہیں ہوتے، لہذا اس کی موت کے بعد بھی ان حقوق کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے گا۔ پس اگر میت اپنے پیچھے میراث میں کافی سارا مال چھوڑے جس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

سے اس پر لازم حقوق کی ادائیگی ممکن ہو تو تب اس کے ان حقوق کی ادائیگی کی کفالت کرنا بالاتفاق درست ہے۔ لیکن اگر کسی پر دین لازم تھا، اور وہ تنگدستی کی حالت میں وفات پا گیا کہ اپنے پیچھے اتنا ترکہ نہیں چھوڑا جس سے اس دین کی ادائیگی ہو سکے تو اس صورت میں میں اس کے ورثاء اور متعلقین میں سے کوئی ان حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری لے کر ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو" كفالة دين الميت المفلس "کا نام دیا جاتا ہے، اس حوالے سے فقہاء کے دو آراء ہیں:

ا۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مفلس میت کا کفالہ درست نہیں، ہاں اگر کسی نہ اس میت کی زندگی میں ہی اس کی کفالت کی تھی یا میت نے کچھ مال چھوڑا ہے جس سے پورے حقوق ادا نہیں ہو سکتے تو جتنا مال چھوڑا ہے اس کے بقدر رکفالت درست ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ[148] کا مؤقف ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کفالت کے لیے لازم ہے کہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے دین کا برقرار رہنا ضروری ہے، کیونکہ کفالت کا معنی ہے ایک ذمہ کے ساتھ دوسرے شخص کا ذمہ ملا دینا تاکہ اس سے مطالبہ کیا جا سکے، اور مال موجود نہ ہونے کی صورت میں اصل شخص سے مطالبہ باقی نہیں رہا تو اب کفیل کے ذمہ مطالبہ کیسے لازم کیا جائے؟ کیونکہ موجود کو معدوم کا تباع نہیں بنایا جا سکتا۔[149] امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ دین کی ادائیگی ایک فعل ہے، اور میت ادائیگی سے عاجز ہے، پس اس کے ذمہ لازم دین ساقط ہے، پس اس کے دین کی کفالت ساقط دین کی کفالت ہے جو کہ درست نہیں، جیسے کوئی شخص دوسرے کے دین کی کفالت کرے اور اس کے ذمہ دین لازم ہی نہ ہو تو کفالت منعقد ہی نہیں ہو گی۔[150]

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت درست ہے، مالکیہ[151]، شوافع[152]، حنابلہ[153] اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ[154] کا یہی مؤقف ہے۔ ان حضرات کی پہلی دلیل حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں جنازہ لایا گیا اور آپ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ اس پر کوئی ادھار تو نہیں؟ تو لوگوں نے نفی میں جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس نے میراث میں کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے پھر نفی میں جواب دیا، تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد دوسرا جنازہ لایا گیا اور آپ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ اس پر کوئی ادھار تو نہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ اس کے ذمہ تین دینار لازم ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ آپ لوگ اس کا جنازہ پڑھ لوں۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا ادھار میرے ذمہ، آپ اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھ لیا[155]۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ موت ادھار کے منافی نہیں، کیونکہ ادھار ایک حکمی مال ہے، لہذا اس کے برقرار رہنے کے لیے قادر ہونے کی ضرورت نہیں[156]۔ ان صاحبان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مفلس میت کا دین ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ آخرت میں اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔[157]

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن میں مفلس میت کی طرف کفیل بننے کے حوالے سے بیان ہے، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

" من لزمه الدين إذا كان حيا لزمه إذا كان ميتا"[158] زندگی میں لازم شدہ دین موت کے بعد لازم رہتا ہے۔

- "دين الميت لا يسقط بإعساره"[159] میت کے مفلس ہونے سے اس کا دین ساقط نہیں ہوتا۔
- "كل دين صحت الحمالة به مع اليسار فإنها تصح به مع الإعسار"[160] ہر وہ دین جس کی کفالت مدیون کی مالداری کی صورت میں درست ہو تو مدیون کی تنگدستی کے وقت بھی اس کی کفالت درست ہو گی۔
- "كل من صح ضمان دينه مع يساره صح ضمان دينه مع إعساره"[161] ہر وہ شخص جس کے دین کی کفالت مالداری کی صورت میں درست ہو تو اس کی تنگدستی کے وقت بھی اس کے دین کی کفالت درست ہو گی۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے ادھار کے معاملات اور میت کی میراث اور ورثاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جہاں مختلف طریقوں سے میں زیر نظر ضابطہ لاگو ہوتا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۱۔ میت کے انتقال کے بعد اس کی تدفین سے قبل عام طور پر اس کے ورثاء کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر میت کے ذمے کسی کا کوئی ادھار وغیرہ کا مطالبہ تو اپنا مطالبہ پیش کر سکتا ہے، یہ بلاشبہ ایک اچھا طریقہ ہے، میت کے ورثاء میں سے ایک یا دو افراد کی تعیین کر دینی چاہیے جو میت کی طرف سے باقاعدہ کفیل بن جائیں، تاکہ مذکورہ اعلان کے بعد اگر کوئی مطالبہ کرنا چاہے تو یہ متعین افراد اس کے پاس موجود گواہان یا ثبوتوں کی جانچ پڑتال کے بعد اس کا ادھار چکانے کا انتظام کریں۔

۲۔ اگر میت مالدار شخص تھا، اور کافی سارا مال چھوڑا ہے جس سے اس پر لازم حقوق بآسانی ادا ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں اس کی طرف سے کفالت بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر میت مفلس تھا تو اس صورت میں میں امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اس کے میراث کے بقدر کفالت درست ہے، جبکہ جمہور فقہاء کے ہاں بہر صورت تمام حقوق کی ادائیگی کا کفیل بننا درست ہے۔

۳۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے جو بالکل تہی دست تھا، اور اس پر دین یا قرض کی شکل میں حقوق لازم تھے، تو امام ابو حنیفہؒ کے اصول کے مطابق اس کی کفالت نہیں ہو سکتی، لیکن جمہور فقہاء کے مطابق اس کی کفالت درست ہے، اس کے متعلقین میں سے کوئی بھی اس کا کفیل بن کر اس کے اوپر لازم حقوق کی ادائیگی کر کے اس کا ذمہ فارغ کر سکتا ہے۔

من قضي دين غيره مضطرا من مال نفسه لايكون متبرعا و يرجع عليه

جو شخص دوسرے کا ادھار مجبور ہو کر اپنے مال سے ادا کرے تو وہ احسان کرنے والا نہیں ہو گا بلکہ وہ مالک سے وصول کرے گا

کفالت کے مسائل میں بعض اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ مدیون اپنا کفیل مقرر کرتا ہے، پھر دائن اس کفیل کو مجبور کر کے اس کے مال سے وہ دین وصول کر لیتا ہے، اب کفیل کی اس ادائیگی کا اصولی اعتبار سے کیا حکم ہو گا؟ زیر نظر ضابطہ اسے حوالے سے ہے۔

ضابطہ کی توضیح

زیر نظر ضابطہ کا تعلق کفالت کے مسائل میں سے اس مسئلہ سے ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کا کفیل بنا، پھر کسی وقت دائن نے اس کو مجبور کر کے اس کے مال سے دین وصول کر لیا تو اس کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ آیا یہ کفیل اپنے مکفول لہ سے اس ادائیگی کی وصولی کرے گا یا یہ اس کی طرف سے ایک احسان ہو گا جس کی وصولی نہیں ہو گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے مذکورہ کفیل اس ادائیگی کی وصولی اپنے مکفول لہ سے کرنے کا حق رکھتا ہے، یہ ادائیگی اس کی طرف کوئی کوئی احسان یا تبرع نہیں ہو گا جس کی وصولی کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

ضابطہ کی تفصیل

مذکورہ مذکورہ ضابطہ کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں کل چار صورتیں ہیں، کفیل مدیون کے کہنے سے کفالت کی ہو گی یا اس کے کہے بغیر، پھر ہر ایک صورت میں کفیل اس دین کی ادائیگی مدیون کے کہنے سے کرے گا یا اس کے کہے بغیر، یہ کل چار صورتیں بنتی ہیں، جن میں سے ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے، ذیل میں ہر ایک صورت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو پیش خدمت ہے:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کفیل مدیون کے کہنے پر اس کا کفیل بنا تھا، اور اسی کے کہنے پر دین کی ادائیگی کی، تو اس صورت میں ائمہ اربعہ [162] کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ اس کو مدیون سے وصولی کا حق حاصل ہے[163]۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل مدیون کے کہنے پر اس کا کفیل بنا تھا، لیکن دین کی ادائیگی اس کی اجازت کے بغیر کر دی، اس صورت میں فقہاء کے دو قول ہیں:

پہلا قول ائمہ اربعہ[164] کا ہے، ان کا مؤقف ہے کہ کفیل مدیون سے وصولی کرے گا، ان کی دلیل یہ ہے جب مدیون نے کفیل کو کفالت کا کہا تو یہ کفالت اس پر لازم دیون کی ادئیگی کے لیے ہی تھی، اور یہ ادائیگی کفالت کی وجہ سے کفیل پر لازم ہو گئی؛ لہذا ادائیگی کی صورت میں وہ مدیون سے وصولی کر سکے گا جس طرح مدیون کے کہنے پر ادائیگی کی صورت میں وصولی کا حق ہوتا ہے۔[165]

دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں کفیل کو مدیون سے وصولی کا حق نہیں، یہ شوافع کے ہاں ایک قول ہے۔ اس کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ کفیل نے مدیون کے کہے بغیر ادائیگی کی ہے لہذا وصولی کا حق نہیں جس طرح مدیون کے کہے بغیر کفالت میں وصولی کا حق نہیں ہوتا۔[166]

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کفالت مدیون کے کہے بغیر ہو لیکن مدیون کے کہنے پر کفیل دین کی ادائیگی کرے، تو اس صورت میں فقہاء کے دو قول ہیں:

پہلا قول مالکیہ[167] اور حنابلہ[168] کا ہے کہ مذکورہ صورت میں کفیل کو مدیون سے وصولی کا حق حاصل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کفیل نے مدیون کے کہنے پر ادائیگی کی ہے لہذا اس کو وصولی کا حق حاصل ہو گا، جس طرح مدیون کے کہنے پر کفالت کی ہو۔[169]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

دوسرا قول احناف[170] اور شوافع[171] کا ہے کہ اس صورت میں کفیل کو وصولی کا حق نہیں ہوگا۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مدیون کے کہے بغیر کفالت کا مطلب یہ ہے کہ کفیل تبرع کے طور پر دین ادائیگی کرے گا، لہذا اس کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔[172]

۴۔چوتھی صورت یہ ہے کہ کفالت اور ادائیگی دونوں مدیون کے کہے بغیر ہو،اس صورت میں بھی فقہاء کے دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں کفیل کو مدیون سے وصولی کا حق نہیں ہوگا، یہ احناف[173] اور شوافع[174] کا مذہب ہے۔ان حضرات کی دلیل حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سابق روایت[175] ہے کہ اگر اس صورت میں کفیل کو مدیون سے وصولی کا حق دیا جائے تو اس میت کے ذمہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا دین باقی رہتا، حالانکہ آپ ﷺ نے جنازہ اسے صورت میں پڑھانے پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا کہ کہ میت پر کوئی حق باقی نہ رہے۔ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کفیل نے مدیون سے اجازت نہ لینے میں خود کوتاہی کی ہے، لہذا اس کو وصولی کا حق نہیں ہوگا[176]۔

دوسرا مذہب مالکیہ[177] اور حنابلہ[178] کا ہے کہ مذکورہ صورت میں کفیل کو مدیون کو وصولی کا حق حاصل ہوگا۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کفیل نے جو ادائیگی کی ہے یہ ایک لازمی دین کی ادائیگی تھی لہذا جس پر یہ دین لازم تھا یہ دراصل اس کے ذمہ واقع ہوگا، جس طرح کوئی حاکم مدیون کے انکار کے بعد اس کا دین ادا کرے تو حاکم کو مدیون سے وصولی کا حق ہوتا ہے[179]۔

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن میں کفیل کے مدیون کی طرف سے دین کی ادائیگی اور مدیون سے وصولی کے بارے اصول وضع کیے گئے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- " من قضي دين غيره مضطرا من مال نفسه لايكون متبرعا و يرجع عليه"[180] جو شخص دوسرے کا ادھار مجبور ہو کر اپنے مال سے ادا کرے تو وہ احسان کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ وہ مالک سے وصول کرے گا۔
- " من قضي دين غيره وهو مضطر فيه يرجع عليه"[181] جو شخص دوسرے کا ادھار مجبور ہو کر ادا کرے تو اصل مدیون سے وصولی کرے۔
- " من ضمن بالإذن رجع، وإن إدى بلاإذن. ومن لا فلا، وإن أدى بإذن"[182] جو شخص اجازت پر کفیل بنے تو مدیون سے وصولی کرے اگر بلا اجازت ادائیگی کرے،اور جو بلا اجازت کفیل بنے تو مدیون سے وصولی نہیں کر سکتا اگر اجازت کے ساتھ ادائیگی کرے۔
- " من قضى نيابة عن غيره بأمره رجع عليه "[183] جو شخص دوسرے کے کہنے پر اس کی طرف سے ادائیگی کرے تو یہ نائب اس مدیون سے وصولی کر سکتا ہے۔
- " إناطة الرجوع وعدمه على الجبر وعدمه "[184] وصولی کا حق ملنے یا نہ ملنے کا تعلق مجبور ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ ہے۔
- " من قضى دين غيره بلا أمره لا رجوع له على أحد"[185] جو شخص دوسرے کا دین اس کے کہے بغیر ادا کرے تو اس کو کسی سے وصولی کا حق نہیں۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے لین دین اور ادھار کے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں زیر نظر ضابطہ لاگو ہوتا ہے:

۱۔مختلف بینکوں کی طرف ایسکرو اکاؤنٹ کی سہولت دی جاتی ہے، جس میں دو لین دین کرنے والوں کے مابین بینک ضامن بن جاتا ہے، اس میں بینک ادائیگی کرنے والے کی طرف سے ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہے، اور پھر اس کے اکاؤنٹ سے کٹوتی کرتا ہے۔جب بینک ادائیگی کرے تو چاہے مذکورہ شخص سے اجازت لی ہو یا نہ ہو اس کو ہر صورت میں اس کے اکاؤنٹ سے کٹوتی کا اختیار ہوگا کیونکہ بینک اس شخص کے کہنے پر اس کی طرف سے ادائیگی کا ضامن بنا تھا۔

۲۔انتقال کے وقت مرنے والا اپنے ورثاء میں سے کسی ایک کو اپنے دیون و حقوق کی ادائیگی کا ذمہ دار بناتا ہے، اس شخص کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کے مطابق جو بھی شخص ادائیگی کرے وہ میراث کے مال سے وصولی کا حق رکھتا ہے کیونکہ اس نے مدیون کے کہنے پر کفیل بن کر ادائیگی کی۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۳۔ کفیل جب مدیون کی طرف سے ادائیگی کرے تو چاہے یہ ادائیگی مدیون کی اجازت سے ہو یا اس کے کہے بغیر اپنی مرضی سے ہو دونوں صورتوں میں اس کو مدیون سے وصولی کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ کفیل بننے کا مطلب یہی ہے کہ مدیون اس کو اپنی طرف سے دین کی ادائیگی کا ذمہ دار بنا رہا ہے، لہذا ادائیگی کے وقت دوبارہ اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں۔

۴۔ دوستی یا تعلق میں بعض اوقات کوئی شخص اپنے جاننے والے کی طرف سے اس کا کفیل بنے بغیر اور اس کے کہے بغیر ہی اس کا کوئی ادھار چکا دیتا ہے، تو اس صورت میں مذکورہ شخص کو مدیون سے وصولی کا حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس نے مدیون کے کہے بغیر اپنی مرضی سے بطور تبرع ادائیگی کی ہے، ہاں اگر مدیون رضامندی کے ساتھ دے تو لے سکتا ہے۔

الأجل في البيع له حصة من الثمن

بیع میں مدت کے لیے ثمن میں حصہ ہوتا ہے

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بازار میں ہر خریداری نقد نہیں ہوتی، بلکہ بہت سارے معاملات ادھار ادائیگی کے ساتھ طے پاتے ہیں، اسی طرح قسطوں پر گھریلوں استعمال کی مختلف اشیاء خاص دکانوں سے خریدی جاتی ہیں جو ادھار خرید وفروخت کی ایک مثال ہے، زیر نظر ضابطہ کا تعلق ان جیسے معاملات کے ساتھ ہے۔

ضابطہ کی توضیح

معاملات میں ادھار خرید وفروخت ایک معمول کا حصہ بلکہ ایک لازمی حصہ ہے، سارے معاملات نقد پر طے پانا عرف وعادت کے لحاظ مشکل بلکہ ناممکن ہے، لیکن ادھار معاملات میں بائع کے لیے ایک پریشانی یہ ہوتی ہے کہ نقد رقم نہ ملنے کی وجہ سے اس کا کافی سرمایہ پھنس جاتا ہے، جس کی وجہ سے کاروبار کی روانگی اور تسلسل پر اثر پڑتا ہے، دوسری پریشانی یہ رہتی ہے کہ ادھار رقم دیر سے ملتی جبکہ بازار میں ہر روز چیزوں کی قیمتیں بڑھتی رہتی ہیں، اس لیے ادھار وصولی کے باوجود بھی اس کا نفع نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔

مذکورہ مشکلات کے پیش نظر فقہاء فرماتے ہیں کہ ادھار معاملہ کی صورت میں بائع قیمت بڑھانے کا اختیار رکھتا ہے، یہ اضافہ ربا کی ضمن میں نہیں آتا۔ اس مسئلہ کو فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے: " الأجل في البيع له حصة من الثمن "یعنی خرید وفروخت میں ثمن ادائیگی کے لیے جو مدت مقرر کی جاتی ہے اس مدت کا بھی ثمن میں حصہ ہوتا ہے، لہذا اس بنیاد پر ثمن میں اضافہ جائز ہے۔ پس خرید وفروخت کے وقت بائع مشتری سے کہہ سکتا کہ یہ چیز نقد دس روپے کی ملے گی اور ادھار پندرہ روپے کی۔ ہاں البتہ یہ ضروری ہے کہ جدائی سے قبل ان میں نقد یا ادھار کسی ایک کی تعیین ضرور کرے۔ پس جب دونوں ان میں کسی ایک عقد پر دونوں راضی ہو جائے تو معاملہ درست ہو جاتا ہے۔[186]

ضابطہ کی دلیل

مذکورہ بالا ضابطہ کے بہت سارے دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں، ذیل میں ان میں سے چند دلائل پیش خدمت ہیں:

۱۔ سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: " الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا "[187] جاہلیت میں خرید وفروخت کے معاملات کی طرح سودی لین دین کا عام رواج تھا، جب اسلام آیا تو سودی لین دین سے ان کو منع کر دیا، جس پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ خرید وفروخت میں بھی تو نقد ادھار معاملات کے لحاظ سے قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے تو بیع کو کیوں ناجائز قرار دیا جاتا حالانکہ بیع اور سود تو ایک جیسے ہیں؟ ان کے جواب میں اللہ تعالی نے ان پر سخت رد فرمایا کہ یہ حد درجہ نامعقولیت کی بات ہے، کیونکہ سود کا تعلق قرض کے معاملات کے ساتھ ہے جو تبرع اور احسان ہے، جس میں نفع لینے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، جبکہ بیع معاملات کے باب سے ہے، پس جب ثمن کی ادائیگی تاخیر سے ہونے کی صورت میں قیمت بڑھائی جائے تو جانبین فائدہ اٹھا رہے ہیں، لہذا اس پر اشکال کی کوئی گنجائش نہیں۔[188]

۲۔ دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے جو مصنف ابن شیبہ میں عکرمہؒ کی روایت سے منقول ہے: عن عكرمة عن ابن عباس قال: " لا بأس أن يقول للسلعة: هي بنقد بكذا وبنسيئة بكذا، ولكن لا يفترقا إلا عن رضا "[189] عکرمہؒ ابن عباس رضی کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ بائع کا اپنے سامان کے بارے میں یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ چیز نقدا اتنی قیمت کی ہے اور ادھارا اتنی قیمت کی ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ بائع اور مشتری رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔" اس اثر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نقد قیمت اور ادھار قیمت میں فرق کرنے کو جائز قرار دے رہے ہیں، لیکن ساتھ یہ لازم کر رہے ہیں کہ بائع اور مشتری ان میں سے ایک صورت پر متفق ہو کر بیع مکمل کریں، تاکہ ابہام کی وجہ جھگڑے وغیرہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ کسی صحابی کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کی مخالفت ثابت نہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ حکم ان حضرات کے ہاں خلاف شریعت نہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ثمن میں اضافہ کے مقابل میں مشتری کو بھی فائدہ مل رہا ہے کہ اس کو فی الفور ادائیگی لازم نہیں ہوتی۔ بلکہ تاخیر کے ساتھ ثمن ادا کرے گا، لہذا یہ اضافہ عوض سے خالی نہیں، خرید وفروخت وہ اضافہ ممنوع ہے عوض سے خالی ہو۔

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن میں ادھار خرید وفرخت کے وقت ثمن میں اضافہ کے حوالے سے اصول وضع کیے گئے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

- " الأجل في البيع له حصة من الثمن "[190] بیع میں مدت کے لیے ثمن میں حصہ ہوتا ہے۔
- " الأجل المشروط في البيع له حصة من الثمن "[191] بیع میں جس مدت کی شرط لگائی جائے اس کے لیے ثمن میں حصہ ہوتا ہے۔
- " الأجل في البيع ياخذ قسطا من الثمن "[192] بیع میں مدت مقرر کرنا ثمن کا ایک حصہ اپنے عوض لازم کرتا ہے۔
- " سعر الحاضر أقل من سعر الغائب "[193] نقد خریداری کرنے والے کے لیے قیمت ادھار خریدار کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے روزمرہ کے معاملات اور ادھار لین دین وغیرہ کے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جہاں مختلف طریقوں سے میں زیر نظر ضابطہ لاگو ہوتا ہے:

ا۔ قسطوں پر مختلف گھریلو اشیاء کی خریداری اور کاروبار کا رواج ہمارے ہاں عام ہے۔ قسطوں پر ملنے والی چیز کی قیمت نقد یکمشت قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، مذکورہ ضابطہ کے رو یہ طریقہ جائز ہے، ہاں البتہ یہ امر ملحوظ رہے کہ قسط میں تاخیر کرنے کی صورت کوئی اضافی جرمانہ عائد کرنے کی شرط نہ ہو، ورنہ تب یہ بیع درست نہیں ہوگی۔

۲۔ بعض دکاندار نقد خریداری کرنے والے کے لیے ایک قیمت لگاتا ہے اور ادھار خریداری کرنے والے کے لیے اس سے زیادہ قیمت لگاتا ہے، یہ طرز عمل مذکورہ ضابطہ کی روشنی میں بالکل درست ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ دکاندار اور گاہک معاملہ ایک صورت صورت پر متعین کرکے طے کریں، کوئی صورت متعین کیے بغیر معاملہ ابہام کے ساتھ چھوڑنے کی صورت میں بیع درست نہیں ہوگی۔

۳۔ مختلف مواقع پر بعض دکاندار مختلف سیل لگاتے ہیں، جس میں اپنے اشیاء پر دس بیس فیصد وغیرہ کی شرح سے رعایت کا اعلان کرتے ہیں، اس صورت میں اگر کوئی گاہک ادھار خریداری کرنا چاہے اور دکاندار اس کو اعلان شدہ رعایت دینے سے انکار کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ خریدار مؤخر ادائیگی کی صورت میں ایک فائدہ بہر حال حاصل کررہا ہے۔

الأصل في الأعيان المبيعة عدم جواز اشتراط الأجل في قبضها

فروخت ہونے والی اشیاء میں قبضہ کی مدت کی شرط کا ناجائز ہونا اصل ہے

خرید وفروخت کے معاملات میں بائع مشتری کو مبیع حوالہ کرتا ہے اور مشتری بائع کو اس کے بدلے ثمن ادا کرتا ہے، بعض مواقع پر مبیع کی حوالگی یا ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت پیش آتی ہے، اسی طرح بائع یا مشتری تاخیر اور مہلت کا مطالبہ کرتا ہے، زیر نظر ضابطہ کا تعلق مذکورہ معاملات کے ساتھ ہے، کہ ان صورتوں میں کون سی صورت درست اور جائز اور کونسی ناجائز؟

ضابطہ کی توضیح

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب درست بیع منعقد ہوجائے تو بائع پر مبیع کی حوالگی اور مشتری پر ثمن کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں مبیع کی حوالگی کی دو صورتیں ہیں: فی الفور حوالہ کرنا، تاخیر کے ساتھ حوالہ کرنا، اسی طرح ثمن کی ادائیگی کی بھی دو صورتیں ہیں: فوری ادائیگی کرنا، تاخیر کے ساتھ ادائیگی کرنا۔ یہاں ثمن کے حوالے سے تو اتفاق ہے کہ اس کی ادائیگی فی الفور بھی درست ہے اور مدت مقرر کرکے تاخیر کی ساتھ ادائیگی کی بھی گنجائش ہے، لیکن مبیع کے حوالے اختلاف پایا جاتا ہے، جمہور کا مؤقف یہی ہے کہ مبیع جب ایک معین چیز کی شکل میں ہو تو اس کی حوالگی فی الفور لازم ہے، اس صورت میں بائع کا مشتری کے ساتھ مدت مقرر کرکے مہلت لینا اور مبیع تاخیر سے حوالہ کرنا درست نہیں۔

ضابطہ کی دلیل

مذکورہ ضابطہ یعنی مبیع کی حوالگی میں تاخیر کی شرط کے عدم جواز سے بہت سارے فقہاء پیش کرتے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند دلائل پیش خدمت ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

۱۔ مذکورہ مسئلہ کی پہلی دلیل اجماع ہے، علامہ ابن رشد مالکیؒ اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: "وأجمعوا على أنه لا يجوز بيع الأعيان إلى أجل، وأن من شرطها تسليم المبيع إلى المبتاع بأثر عقد الصفقة"[194] علماء کا اس پر اجماع ہے کہ معین اشیاء کو مدت مقرر کر کے (یعنی مؤخر حوالگی کے شرط کے ساتھ) فروخت ناجائز ہے، مذکورہ بیع (کے جواز) کا شرط یہی ہے کہ مبیع معاملہ طے پانے کے فورا بعد مشتری کے حوالہ کیا جائے۔ "اس عبارت میں علامہ ابن رشد نے تصریح کے ساتھ مذکورہ مسئلے پر فقہاء کا اجماع نقل کر دیا ہے، اور اجماع شریعت کے بنیادی دلائل میں ایک اہل دلیل ہے۔ اسی طرح علامہ بن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

" لا أعلم خلافا أنه لا يجوز شراء عين مرئية غير مأمون هلاكها بشرط تأخير قبضها إلى أجل لا يؤمن قبله ذهابها لأنه من بيوع الغرر المنهي عنها"[195] مجھے اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا اختلاف معلوم نہیں کہ ایسی چیز جو نظر آنے والی ہو اور جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو اس کو اتنی مدت کی مؤخر حوالگی کے شرط کے ساتھ فروخت کرنا درست نہیں جس مدت سے پہلے اس کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہو، کیونکہ اس بیع میں غرر کا خدشہ ہے جس سے ممانعت وارد ہے۔"

۲۔ مذکورہ ضابطہ کی دوسری دلیل معینہ اشیاء تاجیل قبول نہیں کرتی، تاجیل ان امور میں ہوتی ہے جو غیر معین ہو اور ذمہ لازم ہو[196]۔ جبکہ مبیع عام طور پر ایک معین و مجسم چیز ہوتی ہے، نہ کہ ذمہ لازم ہونے والی اعتباری چیز۔ علامہ قرافیؒ فرماتے ہیں: " المعينات لا تثبت في الذمم، وأن ما في الذمم لا يكون معينا "[197] عین ذمہ پر لازم نہیں ہوتی، اور جو ذمہ لازم ہو وہ عین نہیں ہوتا۔ "اس لیے اس کی حوالگی کے لیے مدت مقرر کرنا درست نہیں۔

۳۔ زیر نظر ضابطہ کی تیسری دلیل یہ ہے اگر مبیع فی الفور حوالہ نہ کیا جائے تو اس کے ضائع ہونے یا خراب ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، پتہ نہیں جو مدت مقرر کی ہے اس وقت تک یہ مبیع صحیح وسالم رہے گی یا نہیں، یہ غرر ہے، اور غرر کے ساتھ بیع درست نہیں رہتی۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: " لا أعلم خلافا أنه لا يجوز شراء عين مرئية غير مأمون هلاكها بشرط تأخير قبضها إلى أجل لا يؤمن قبله ذهابها لأنه من بيوع الغرر المنهي عنها"[198] مجھے اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا اختلاف معلوم نہیں کہ ایسی چیز جو نظر آنے والی ہو اور جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو اس کو اتنی مدت کی مؤخر حوالگی کے شرط کے ساتھ فروخت کرنا درست نہیں جس مدت سے پہلے اس کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہو، کیونکہ اس بیع میں غرر کا خدشہ ہے جس سے ممانعت وارد ہے۔ "اسی طرح علامہ خرشیؒ لکھتے ہیں: " مثل بيع الشيء المعين ، وهو لا يجوز تاخير تسليمه بعد بيعه، لما يلحق ذلك من الغرر؛ لأنه لا يدرى كيف يقبض، لإمكان هلاكه قبل قبضه"[199] جیسے معین چیز کو فروخت کرنا، بیع کے بعد اس معین کی حوالگی میں تاخیر درست نہیں، کیونکہ اس میں غرر کا خدشہ ہے، کیونکہ معلوم نہیں اس کو کیسے قبضہ کیا جائے گا؟ کیونکہ قبضہ سے قبل اس کے ضائع ہونے کا خدشہ موجود رہتا ہے۔"

متعلقہ قواعد

زیر نظر ضابطہ سے متعلق بہت سارے قواعد فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں جن میں خرید وفرخت کے وقت ثمن میں اضافہ کے حوالے سے اصول وضع کیے گئے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند قواعد پیش خدمت ہیں:

" الأصل في الأعيان المبيعة عدم جواز اشتراط الأجل في قبضها"[200] فروخت ہونے والی اشیاء میں قبضہ کی مدت کی شرط کا ناجائز ہونا اصل ہے۔

- " لا يجوز بيع معين يتأخر قبضه"[201] ایسی معینہ چیز کی فروخت جائز نہیں جس کا قبضہ تاخیر سے ہوگا۔
- " لا يجوز تاخير تسليم المبيع المعين بالشرط"[202] معین مبیع کی حوالگی شرط لگا کر مؤخر کر دینا جائز نہیں۔
- " بيع الأعيان إلى أجل لا يجوز"[203] معینہ اشیاء کو تاخیر کے ساتھ بیچنا ناجائز ہے۔

تطبیقی مثالیں

زیر نظر ضابطہ کا ہماری زندگی کے روزمرہ کے معاملات اور لین دین وغیرہ کے معاملات کے ساتھ تعلق ہے، ذیل میں روزمرہ زندگی سے کچھ ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جہاں مختلف طریقوں سے میں زیر نظر ضابطہ لاگو ہوتا ہے:

۱۔ عام طور پر ہمارے روزمرہ معاملات میں بعض اوقات گاڑی فروخت کر کے یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ بائع گاڑی اتنے دن تاخیر کے ساتھ حوالہ کرے گا، مذکورہ ضابطہ کے مطابق یہ شرط درست نہیں؛ کیونکہ مقررہ مدت کے دوران کسی طرح سے بھی گاڑی کا ایکسیڈنٹ وغیرہ کی صورت میں نقصان اور خرابی کا عین امکان موجود ہے، جس کی وجہ سے جھگڑا اور فساد کا خدشہ یقینی ہو جاتا ہے۔

۲۔گھر فروخت کرتے وقت عام طور پر مالکان یہ شرط لگاتے ہیں کہ ہم اتنا عرصہ گھر میں رہیں گے، مذکورہ ضابطہ کے مطابق یہ شرط درست نہیں؛ کیونکہ مقررمدت کے دوران گھر میں خرابی آسکتی ہے، جس کی وجہ سے فریقین میں لڑائی جھگڑا بن سکتا ہے، لیکن اگر بیع میں شرط نہ لگائی جائے، لیکن مشتری مالک کو کچھ دن اپنی خوشی سے رہنے کی اجازت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔دکان یا کاروبار وغیرہ کی خرید وفروخت کی صورت میں بعض اوقات تاخیر سے حوالگی کی جاتی ہے، مذکورہ ضابطہ کے مطابق یہ شرط درست نہیں؛ کیونکہ مقررمدت کے دوران کاروبار جاری رہتا ہے، اور مالک اس سے نفع اٹھاتا رہتا اور پیسے نکالتا رہتا ہے، حالانکہ اب یہ مشتری کی ملکیت ہے جس سے بائع کے لیے نفع لینے کی کوئی گنجائش نہیں، نیز اس دوران دکان اور کاروبار میں تبدیلی آتی رہے گی جس سے فریقین میں لڑائی جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔

1- الفراهيدي، أبو عبدالرحمن خليل بن أحمد. **العين**، تحقيق: د مهدي المخزومي، د إبراهيم السامرائي، (ب م، دار ومكتبة هلال، ب ط) ج٨، ٧٢.

2- ابن فارس، أحمد بن فارس القزويني الرازي. **مقاييس اللغة** (دارالفكر، ب ط١٣٩٩ھ/١٩٧٩م) ج٢، ص٣١٩.

3- الزيلعي، عثمان بن علي بن محجن البارعي، **تبيين الحقائق شرح كنز الدقايق**، (القاهرة، المطبعة الكبرى الأميرية، ط١، ١٣١٣ھ) ج٤، ص٨٣.

4- التفتازاني، سعد الدين مسعود بن عمر. **التلويح حاشية التوضيح**. (مصر، مكتبة صبيح، ب ط) ج٢، ص٦٦. و ينظر وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت، **الموسوعة الفقهية الكويتية**، (الكويت، دارالسلاسل، ط٢، ١٤٠٤ھ) ج٢١، ص١٠٢، (دين).

5- القرطبي، محمد بن احمد بن أبي بكر. **الجامع لأحكام القرآن**، تحقيق عبدالله التركي. (بيروت، مؤسسة الرسالة، ط١، ١٤٢٧ھ/ ٢٠٠٦م) ج٤، ص٤٢٤.

6- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر. **رد المحتار على الدر المختار** (بيروت، دارالفكر، ط٢، ١٤١٢ھ/ ١٩٩٢م)ج٥، ص١٥٧.

7- كيرانوى، وحيد الزمان قاسمى، مولانا۔ **القاموس الوحيد**، (لاہور، كراچى، اداره اسلاميات، طبع اول، ربيع الاول 1422ھ/ جون2001ء) ص1320۔

8- الدسوقي، محمد بن أحمد بن عرفة. **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير**، (ب م، دارالفكر، ب ط، ب ت) ج٣، ص٢٢٧-٢٢٩.

9- المرداوي، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان. **الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف**، تحقيق عبدالله التركي (القاهرة، هجر للطباعة والنشر، ط١، ١٤١٥ھ/ ١٩٩٥م)ج١٢، ص٣١١

10- الدسوقي، **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير**، مرجع سبق ذكره. ج٣. ص٢٢٧.

11- الزحيلي، وهبة بن مصطفى. **الفقه الإسلامي وأدلته** (دمشق، دار الفكر، ط٤، ب ت) ج٥، ص٣٦٦٦.

12- الزركشي، **المنثور في القواعد الفقهية**. مرجع سبق ذكره. ج١، ص٣٩٢؛ البهوتي، منصور بن يونس بن صلاح الدين **كشاف القناع عن متن الإقناع** (بيروت، دار الكتب العلمية، ب ط، ب ت)ج٣، ص٣١٠.

13- الزركشي، **المنثور في القواعد الفقهية**. مرجع سبق ذكره. ج١، ص٣٩٣.

14- الزركشي، **المنثور في القواعد الفقهية**. مرجع سبق ذكره. ج١، ص٣٩٢.

15- أبو داؤد، سليمان بن الأشعث السجستاني. **السنن** (بيروت، دار الكتاب العربي، ب ط، ب ت) كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق، رقم الحديث ٣٣٥٤، ج٣، ص٢٥٥.

16- البابرتي، محمد بن محمد بن محمود. **العناية شرح الهداية** (ب م، بيروت دار الفكر، ب ط، ب ت) ج٧، ص١٥٠.

17- الزركشي، **المنثور في القواعد الفقهية**. مرجع سبق ذكره. ج١، ص٣٩٢.

18- الدسوقي. **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير**. مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٣٠، ٣١.

19- الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبدالله. **السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار** (ب م، دار ابن حزم ، ط١، ب ت) ص٥٥٠.

20- البهوتي. **كشاف القناع**، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٣٦٢.

21- الونشريسي، أحمد بن يحيى. **المعيار المعرب** (بيروت، دار الغرب الإسلامي، ب ط، ١٤٠١هـ/ ١٩٨١م) ج٢، ص٧٣.

22- مكي، أحمد بن محمد . **غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر** (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥م) ج٣، ص٩٤.

23- وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، **الموسوعة الفقهية الكويتية**، مرجع سبق ذكره، ج١٨، ص٢٠٢.

24- الحاكم، أبوعبدالله النيسابوري. المستدرك على الصحيحين (بيروت، دارالمعرفة، ب ط، ب ت) كتاب البيوع، لانهي عن بيع الكالئ بالكالئ، ج٢، ص٧٥، رقم الحديث 2355.

25- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره. ج٣٠، ص١٥٠.

26- المرداوي، الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص٢٩٥.

27- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١١٩.

28-الدسوقي، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٩٩.

29- الشربيني، محمد بن أحمد الخطيب. مغني المحتاج (ب م، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤م) ج٣، ص٥٦٥.

30- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٧، ص٣١.

31- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٢٣٦.

32- الباجي، سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب. المنتقى شرح المؤطا (مصر، مطبعة السعادة، ط١، ١٣٣٢هـ) ج٥، ص٣٢.

33- الشيرازي، إسحاق بن إبراهيم بن علي بن يوسف. المهذب في فقه الإمام الشافعي (بيروت، دار الكتب العلمية، ب ط، ب ت) ج٢، ص ١٣٥.

34- ابن قدامة، موفق الدين عبدالله بن أحمد بن محمد. المغني (القاهرة، مكتبة القاهرة، ب ط، ١٣٨٨هـ/ ١٩٦٨م) ج٤، ص٢٢٤.

35- الزيلعي، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٨٢؛ الرملي، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٨٨.

36- الزيلعي، تبيين الحقائق، مرجع سبق ذكره، ج٤، ص ٨٣.

37- الرملي، نهاية المحتاج إلى شرح منهاج، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٩٠.

38- البهوتي، كشاف القناع عن متن الإقناع، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٣٥٩.

39- الرافعي، علي بن عبدالسلام بن علي. الشرح الكبير (ب م، دار الفكر، ب ط، ب ت) ج٨، ص٤٣٩.

40- ابن مفلح، إبراهيم بن محمد بن عبدالله بن محمد. المبدع في شرح المقنع (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤١٨هـ/ ١٩٩٧م) ج٤، ص١٩٠.

41- ابن مفلح، المندع في شرح المقنع، مرجع سبق ذكره، ج٤، ص.

42- الرملي، نهاية المجتاج إلى شرح منهاج، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٩٢.

43- التسولي، البهجة في شرح التحفة، مرجع سبق ذكره، ج٢، ص٣٦.

44- الزرقاء، مصطفى أحمد. المدخل الفقهي العام (بيروت، دار الفكر، ط٩، ١٩٦٨م) ج٣، ص١٧٣.

45- الحطاب، محمد بن محمد بن عبدالرحمن الطرابلسي المغربي. مواهب الجليل في شرح مختصر خليل (ب م، دار الفكر، ط٣، ١٤١٢هـ/ ١٩٩٢م) ج٤، ص٢٢٦.

46- أحمد بن غانم بن سالم بن مهنا. الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني (ب م، بيروت، دار الفكر، ب ط، ١٤١٥هـ/ ١٩٩٥م) ج٢، ص١٠٠.

47- الزيلعي، عثمان بن علي بن محجن البارعي، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق (القاهرة، المطبعة الكبرى الأميرية، ط١، ١٣١٣هـ) ج٤، ص٨٣.

48- القرافي، شهاب الدين أحمد بن إدريس. أنوار البروق في أنواء الفروق (ب م، ب ط، ب ت) ج٢، ص١٣٤.

49- البورنو، محمد صدقي أحمد. موسوعة القواعد الفقهية (بيروت، مؤسسة الرسالة، ط١، ١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م) ج١٠، ص٧٤٤.

50- القرافي، أنوار البروق في أنواء الفروق. ج٢، ص ١٣٤.

51- القرافي، أنوار البروق في أنواء الفروق. ج٢، ص ١٣٤.

52- ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٥٩٩.

53- ابن مفلح، المبدع في شرح المقنع، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص١٤٦.

54- ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد المصري. البحر الرائق شرح كنز الدقائق (ب م، دار الكتاب الإسلامي، ط٢، ب ت) ج٢، ص٢٢٦.

55- آبو النجا، الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، مرجع سبق ذكره. ج٢، ص١٤٧.

56- الشربيني، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٢٧٩.

57-الدسوقي،حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٤٢٦.

58- البهوتي، كشف القناع، مرجع سبق ذكره، ج٣، ص٣١٣.

59-الدسوقي، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، مرجع سبق ذكره، ج٤، ص٤٢٦.

60- الرملي، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٤٠٠.

61-ابن نجيم، البحر الرائق، مرجع سبق ذكره، ج٢، ص.

62- الحاكم، المستدرك على الصحيحين، مرجع سبق ذكره، كتاب البيوع، النهي عن لابيع في المسجد ونشدان الضالة فيه، رقم الحديث ٢٣٥٣، ج٢، ص٥٦.

63- القرافي، أنوار البروق في أنواء الفروق، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٢٥٩.

64- البهوتي، كشاف القناع، مرجع سبق ذكره. ص٣١٣.

65- ابن مفلح، المبدع شرح المقنع، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص١٤٦.

66- الجمل، سليمان بن عمر بن منصور العجيلي. فتوحات الوهاب بتوضيح شرح منهج الطلاب –حاشية الجمل- (بيروت، دار الفكر، ب ط، ب ت) ج٣، ص٢٤٧.

67- الرملي، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، مرجع سبق ذكره. ج٤٤، ص١٨٨.

68- ابن نجيم، البحر الرائق، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٢٢٧.

69- البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي البخاري. الجامع الصحيح. (دار طوق النجاة، ط١، ١٤٢٢ه) ج٣، ص١١٨، رقم الحديث ٢٤٠٠.

70- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره. ج١٨، ص٣٧.

71- البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي البخاري. الجامع الصحيح. (دار طوق النجاة، ط١، ١٤٢٢ه) ج٣، ص١١٨، رقم الحديث ٢٤٠٠.

72- ابن حزم، علي بن أحمد. مراتب الإجماع (بيروت، دار الكتب العلمية، ب ط، ب ت) ص٥٨.

73- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره. ج١٨، ص٣٧

74- ابن عابدين، ردالمحتار على الدر المختار، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٢٥٠.

75- الكاساني، بدائع الصنائع، ج٧، ص٢٢٦.

76- السمرقندي، أبو بكر علاء الدين محمد بن أحمد بن أبي أحمد. تحفة الفقهاء (بيروت، دار الكتب العلمية، ط٢، ١٤١٤ه/ ١٩٩٤م) ج٣، ص٢٩٠.

77- ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، مرجع سبق ذكره. ج١، ص٢٣٦.

78- الفيومي، أحمد بن محمد بن علي الفيومي. المصباح المنير في غريب الشرح الكبير (بيروت، المكتبة العلمية، ب ط، ب ت) ج١، ص٤٦.

79- لجنة عدة علماء، مجلة الأحكام العدلية. تحقيق نجيب هواويني (كراتشي، نور محمد كارخانه تجارت كتب، ب ط، ب ت) مادة ١٥٣٦، ص٢٩٨.

80- الحطاب، مواهب الجليل، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٢٣٢.

81- الزرقاء، المدخل الفقهي العام، مرجع سبق ذكره. ج١، ص٣٦٥.

82- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص٢٩٥.

83- الدسوقي، شرح الدسوقي على الجامع الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٩٩.

84- السيوطي، جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر. الأشباه والنظائر (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤١١ه/١٩٩٠م) ص١٧١.

85- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص٢٩٥؛ البهوتي، كشف القناع، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٣٠٤.

86- الدسوقي، شرح الدسوقي على الجامع الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٩٩.

87- السيوطي، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص١٧١.

88- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص ٢٩٥؛ البهوتي، كشف القناع، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٣٠٤.

89- السيوطي، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص.

90- داماد آفندي، عبدالرحمن بن محمد. مجمع الأنهر في شرح الأبهر. (ب م، دار إحياء التراث العربي) ج٢، ص٣٦٦.

91- الزركشي، المنثور في القواعد الفقهية، مرجع سبق ذكره. ج١، ص٨٢.

92- الماوردي، الحاوي الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٨، ص٣٦٤.

93- البهوتي، منصور بن يونس بن صلاح الدين. شرح منتهي الإرادات (ب م، عالم الكتب، ط ١٩٩٣م) ج٢، ص١٤٣.

94- الزركشي، المنثور في القواعد الفقهية، مرجع سبق ذكره، ج١، ص٨٤.

95- الحطاب، مواهب الجليل، مرجع سبق ذكره، ج٥، ص٢٣٢.

96- ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني. فتح الباري شرح صحيح البخاري (بيروت، دار المعرفة، ب ط، ١٣٧٩ه)ج٩، ص٥٠٩.

97- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج١٠، ص٢٨٧.

98- القاضي عبدالوهاب بن علي. الإشراف على نكت مسائل الخلاف، تحقيق: الحبيب بن طاهر (ب م، دار ابن حزم، ط١، ١٤٢٠ه/ ١٩٩٩م) ج٢، ص٩٨٤.

99- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج٢٨، ص٥٣٩.

100- البيهقي، السنن الكبرى () ج٦، ص١٠٠، رقم الحديث ١١٦٦٠.

101- ابن قدامة، المغني مرجع سبق ذكره. ج١٠، ص٢٨٨.

102- ابن نجيم، البحر الرائق، مرجع سبق ذكره. ج٧، ص١٩٢.

103- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج٢٨، ص٥٤٠.

104- البقرة: ١٩٤

105- النحل: ١٢٦.

106- البخاري، الجامع الصحيح، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٧٩، رقم ٢٢١١.

107- الأنصاري، زكريا بن محمد. الغرر البهية في شرح بهجة الوردية (ب م، المطبعة اليمنية، ب ط، ب ت) ج٥، ص٢٣٠.

108- الشافعي، الأم، مرجع سبق ذكره. ج٨، ص٤٢٧.

109- العبدري، محمد بن يوسف. التاج والإكليل لمختصر الخليل. (بيروت، دار الكتب العلمية،) ج٧، ص٢٩٦.

110- ابن حزم، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد الأندلسي. المحلي بالآثار. (بيروت، دار الفكر) ج٦، ص٤٩٠.

111- ابن حزم، المحلي، مرجع سبق ذكره، ج٧، ص٤٥٥.

112- ابن حجر، فتح الباري، مرجع سبق ذكره. ج٩، ص٤١٩.

113- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره، ج٢٢، ص٤٩.

114- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره، ج٢٢، ص٤٩.

115- الشافعي، أبو عبدالله محمد بن أدريس الشافعي. كتاب الأم، (بيروت، دار المعرفة١٩٩٠م)ج٥، ص١١١.

116- ابن عابدين، ردالمحتار، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٥٠.

117- المناوي، زين الدين محمد. فيض القدير شرح جامع الصغير. (مصر، المكتبة التجارية الكبرى) ج٣، ص٤٣٧.

118- التهانوي، محمد بن علي. كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم. (بيروت، مكتبة لبنان) ج١، ص٨١٤.

119- التهانوي، كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مرجع سبق ذكره. ج١، ص٨١٤.

120- السبكي، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ج١، ص٢٦٧.

121- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج ١٢، ص٣٤٠.

122- التوبة:٩١.

123- ابن همام، فتح القدير() ج٦، ص٥٢٤.

124- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٢٣٧.

125- ابن نجيم، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص٢٢٦.

126- الدسوقي، حاشية الدسوقي، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٢٢٦.

127- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص٣٤٠.

128- الحاكم ، المستدرك على الصحيحين، مرجع سبق ذكره. ج٢، ص٤٩، رقم الحديث٢٣٢٢؛ أبو داؤد، السنن، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٣٣٢، رقم الحديث٣٥٩٤.

129- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٢٣٧.

130- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٦٠.

131- الزركشي، المنثور في القواعد الفقهية، مرجع سبق ذكره. ج٢، ص٢٦.

132- السبكي، تاج الدين عبدالوهاب بن تقي الدين. الأشباه والنظائر (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤١١هـ/ ١٩٩١م) مرجع سبق ذكره، ج١، ص٢٦٧.

133- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٢، ص٣٤١.

134- ابن نجيم، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص٢٢٦.

135- ابن نجيم، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص٢٢٦.

136- البابرتي، العناية، مرجع سبق ذكره. ج٨، ص٤٤٧، ٤٤٨.

137- العبدري، التاج والإكليل، مرجع سبق ذكره، ج٧، ص٤٤٤.

138- الأنصاري، زكريا بن محمد. أسنى المطالب في شرح روض الطالب (ب م، دار الكتاب الأسلامي،)ج٢، ص٣٨.

139- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٧١.

140- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٥٣.

141- منلا خسرو، محمد فرموزا. درر الأحكام شرح غرر الأحكام (القاهرة، دار إحياء الكتب العربية،) ج٢، ص٣١١.

142- ابن قدامة، مؤفق الدين عبدالله. الكافي في فقه الإمام أحمد (بيروت، دار الكتب العلمية، ١٩٩٤م) ج٢، ص١٥٢.

143- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٧١.

144- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٥٣.

145- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٥٣.

146- ابن عبدالبر، يوسف بن عبدالله. الاستذكار، تحقيق: سام محمد عطا، محمد علي معوض (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤٢١هـ/٢٠٠٠م) ج٧، ص٢٩.

147- الزرقاني، محمد بن عبدالباقي، شرح الزرقاني على المؤطا، تحقيق: طه عبدالرؤف (القاهرة، مكتبة الثقافة الدينية، ط١، ١٤٢٤/ ٢٠٠٣م)ج٥، ص٥١٩.

148- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٦.

149- الزيلعي، تبيين الحقائق، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص١٦٠.

150- الزيلعي، تبيين الحقائق، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص١٦٠.

151- الخرشي، شرح مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٢٣.

152- الأم، الشافعي، مرجع سبق ذكره. ج٧، ص١٢٥.

153- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٣، ص٢٧.

154- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٦.

155- البخاري، الجامع الصحيح، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٩٤، رقم الحديث٢٢٨٩.

156- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٦.

157- ابن الهمام، كمال الدين محمد. فتح القدير (بيروت، دار الفكر، ب ط، ب ت)ج٧، ص٢٠٤.

158- الماوردي، الحاوي الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٤٥٤.

159- الماوردي، الحاوي الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٤٥٤.

160- الباجي، المنتقى شرح المؤطا، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٨٤.

161- الماوردي، الحاوي الكبير، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص٤٥٥.

162- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٣.

163- النووي، شرح المهذب، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٣٠.

164- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٣

165- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٤١١.

166- النووي، المجموع شرح المهذب، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٣٠.

167- الدسوقي، حاشية الدسوقي، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص ٣٣٤.

168- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٣، ص٤٢.

169- النووي، المجموع شرح المهذب، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٣٠.

170 - الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٣.

171- النووي، المجموع شرح المهذب، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٣٠.

172- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٣.

173- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٣.

174- النووي، المجموع شرح المهذب، مرجع سبق ذكره. ج١٤، ص٣٠.

175- البخاري، الجامع الصحيح، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٩٤، رقم الحديث٢٢٨٩.

176- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره، ج٦، ص٤٤٩.

177- المرداوي، الإنصاف، مرجع سبق ذكره. ج١٣، ص٤٢.

178- ابن قدامة، المغني، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٤١١.

179- ابن قدامة، عبدالرحمن بن محمد تحقيق عبدالله التركي،عبدالفتاح (القاهرة، هجر للطباعة والنشر)ج٥، ص٨٩.

180- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٦، ص١٧٢.

181- داماد آفندي، مجمع الأنهر، مرجع سبق ذكره، ج٢، ص٦٠٥.

182-السيوطي، الأشباه والنظائر، مرجع سبق ذكره. ص٤٦٢.

183- داماد آفندي، مجمع الأنهر، مرجع سبق ذكره، ج٢، ص١٤٢.

184- ابن عابدين، ردالمحتار، مرجع سبق ذكره. ج٤، ص٣٣٣.

185- ابن عابدين، ردالمحتار، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص١٣٧.

186- الكاساني، بدائع الصنائع، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص.

187- البقرة:٢٧٦.

188- الجصاص، أحمد بن علي بن أبي بكر الرازي. أحكام القرآن (بيروت، دار إحياء التراث العربي،١٤٠٥ه) ج٢، ص١٨٤

189- ابن أبي شيبة، أبوبكر. المصنف في الآحاديث والآثار. (الرياض، مكتبة الرشد)ج٤، ص٣٠٧، رقم الحديث٢٠٤٥٣.

190- الخرشي، شرح مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص١٧٦

191- الزرقاني، شرح الزرقاني على مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص١٧٦.

192- ابن تيمية، مجموع الفتاوى، مرجع سبق ذكره. ج٢٩، ص٤٩٩.

193- ابن تيمية، مجموع الفتاوى، مرجع سبق ذكره. ج٢٩، ص٥٢٥.

194- ابن رشد، أبو الوليد محمد بن أحمد القرطبي. بداية المجتهد ونهاية المقتصد (القاهرة، دار الحديث،) ج٣، ص١٧٥.

195- ابن عبدالبر، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر. الاستذكار (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤٢١ه/٢٠٠٠م) ج٦، ص٣٤٢.

196- السرخسي، المبسوط، مرجع سبق ذكره. ج١٨. ص١٨٧:.

197- القرافي، أنوار البروق في أنواء الفروق ، مرجع سبق ذكره. ج٢، ص١٣٤.

198- ابن عبدالبر، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر. الاستذكار (بيروت، دار الكتب العلمية، ط١، ١٤٢١ه/٢٠٠٠م) ج٦، ص٣٤٢.

199- الخرشي، شرح مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٢٥٧.

200- ابن قطان، الإقناع في مسائل الإجماع () ج٢، ص٢٣٤.

201- الخرشي، شرح مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٥، ص٢١٧.

202- الخرشي، شرح مختصر الخليل، مرجع سبق ذكره. ج٣، ص٢٥٧.

203- ابن الرشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، مرجع سبق ذكره. ج٢، ص١١٧.